ٹائیٹل طبع اوّل

الحمد للہ

والمنۃ کہ رسالہ ہذا
از تصنیفات حضرت
امام ہمام مسیح موعود و مہدی معہود
جناب مرزا غلام احمد صاحب نصرہ اللہ وایدہ
الموسوم بہ

تحفہ غزنویہ

سنہ ۱۹۰۲ء

بماہ اکتوبر

مطبع ضیاء الاسلام قادیان ضلع
گورداسپور میں باہتمام حکیم حافظ
فضل الدین صاحب
بھیروی مالک مطبع
چھپکر شایع
ہوا

قیمت ۴ر — محصولڈاک ار — وی پی ار — کل ۶ر

تعداد اشاعت
۷۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلّی

درجوابِ اشتہارِ عبدالحق غزنوی

اے پئے تحقیرِ من بستہ کمر
نیستت جز ہجوِ من کارِ دگر

می کشائی ہر دمے بر من زباں
چُوں نترسی از خدائے رازداں

از سرِ تقویٰ ہمی باید جدال
تا کجا دشنام ہا اے بدخصال

نیستی گرگِ بیابانی نہ مار
ترک کُن ایں خو وازحق شرم دار

اے عجب از سیرتت اے پُر غضب
از حقیقت بے خبر دُور از ادب

خیز و اوّل فہمِ خود را کُن دُرست
نکتہ چیں را چشم می باید نخُست

دل شود از بدزبانیہا سیاہ
بد زباناں را در آنجا نیست راہ

کم نشیں با زمرۂ مُستہزئیں
تا بیابی حصّۂ از مہتدیں

روز و شب بد گفتنم کارِ تو شد
لعنت و تحقیر کردارِ تو شد

لعنت آں باشد کہ از رحماں بود
لعنت نااہل و دوں آساں بود

گر سفیہے لعنتے بر ما کند
او نہ بر ما خویش را رُسوا کند

ہر کہ مے دارد دلِ پرہیزگار
چُوں عجب دارد زکارِ کردگار

آنکہ از یک قطرہ انسانے کند
واز دو مُشتِ تخم بستانے کند

چُوں منے را گر مسیحائے کند
یا گدائے را شہنشاہے کند

نیست از فضل وعطائے او بعید
کور باشد ہر کہ از انکار دید

ہاں مشو نومید زاں عالیجناب
بندہ باش و ہرچہ می خواہی بیاب

قادر است و خالق و ربّ مجید ‌ ‌ ‌ ‌ هرچه خواهد می کند عجزش که دید
نطفه را رُوئے درخشاں می دہد ‌ ‌ ‌ ‌ سنگ را لعل بدخشاں می دہد
برکسے چُوں مہربانی مے کند ‌ ‌ ‌ ‌ از زمینی آسمانی مے کند
ہم چُنیں بر من عطائے کردہ است ‌ ‌ ‌ ‌ فضلہا بے انتہائے کردہ است
مظہرِ انوارِ آں بیچوں شُدم ‌ ‌ ‌ ‌ در معارف از ہمہ افزوں شُدم
یارِ من برمن کرم دارد بسے ‌ ‌ ‌ ‌ صد نشاں دارم اگر آید کسے
بشنوید اے مردگاں من زندہ ام ‌ ‌ ‌ ‌ اے شبانِ تیرہ من تابندہ ام
ایں دو چشم من کہ زیب ایں سرم ‌ ‌ ‌ ‌ ببیند آں یارے کہ یارے دلبرم
ایں قدم تا عرش حق دارد گذر ‌ ‌ ‌ ‌ و ایں دو گوشم را رسد از حق خبر
صد ہزاراں نعمتم بخشیدہ اند ‌ ‌ ‌ ‌ و ایں رُخم از غیرِ حق پوشیدہ اند
می دہم فرعونیاں را ہر زماں ‌ ‌ ‌ ‌ چُوں یدِ بیضائے مُوسیٰ صد نشاں
زیں نشانہا بدرگاں کور و کر اند ‌ ‌ ‌ ‌ صد نشاں بینند و غافل بگذرند
دُور افتادم ز چشمانِ بشر ‌ ‌ ‌ ‌ از مقامم کس نمے دارد خبر
در من افتادند از نقص عقول ‌ ‌ ‌ ‌ بخت برگردیدہ محروم از قبول
کس ز رازِ جانِ من آگاہ نیست ‌ ‌ ‌ ‌ عقل شاں را تا در ما راہ نیست
از سر حمق است جوش و جنگ شاں ‌ ‌ ‌ ‌ و از پئے اطفاءِ حق آہنگ شاں
اے مزوّر گر بیائی سُوئے ما ‌ ‌ ‌ ‌ و از وفا رخت افگنی در کوئے ما
و از سر صدق و صداقت پروری ‌ ‌ ‌ ‌ روزگارے در حضور ما بری
عالمے بینی ز ربّانی نشاں ‌ ‌ ‌ ‌ سُوئے رحماں خلق و عالم را کشاں
من نمے خواہم کہ آزارے دہم ‌ ‌ ‌ ‌ برسرِ ہر ماہ دینارے دہم
ہم چُنیں یک سال می باید قیام ‌ ‌ ‌ ‌ از من ایں عہد است و از تو التزام

گر گذشت ایں سال و عدم بے نشاں — ہر چہ میگوئی ہمے گو بعد زاں
صالحاں را ایں طریق و سنّت است — راہ استعجال راہِ لعنت است
ہر کہ روشن شد دروں از حضرتش — کیمیا باشد دمے در صحبتش
ہر کہ او را ظلمتے گیرد بہ راہ — دامن پاکاں است او را عذر خواہ
آں خدا با یارِ خود یاری کند — با وفاداراں وفاداری کند
ہر کہ عشقش در دل و جانش فتاد — ناگہاں جانے در ایمانش فتاد
عشقِ حق گردد عیاں بر روئے او — بوئے او آید ز بام و کوئے او
دید او باشد بحکم دید او — خود نشیند حق پئے تائید او
بس نمایاں کارہا کاندر جہاں — مے نماید بہر اکرامش عیاں
صد شعاعش مے دہد چوں آفتاب — تا مگر جانے بر آید از حجاب
ایں چنیں بر من کرمہا کردہ است — منکرم بر خود ستمہا کردہ است
علمِ قرآں علم آں طیّب زباں — علم غیب از وحی خلّاق جہاں
ایں سہ علم چوں نشاں ہا دادہ اند — ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند
آدمی زادے ندارد ہیچ فن — تا در آویزد دریں میداں بمن
حجّتِ رحماں بر ایشاں شد تمام — یاوہ گوئی ماند در دستِ لئام
از کسوف و ترک آں نورے کہ بود — مہر و مہ ہم پیشم آمد در سجود
ایں نشاں بر آسماں رحماں نمود — بر زمیں ہم دستِ ہیبتہا کشود
ہست لطفِ یارِ من بر من اتم — او مرا شد من ہم از بہرش شدم
دلبرم در شد بجان و مغز و پوست — راحت جانم بیاد روئے اوست
رازہا دارم بیارِ دلبرم — شد عیاں از من بہارِ دلبرم
ہر کسے دستے بہ دامانے زند — ما بہ ذیل حیّ و قیوم و احد

اے دریغا قوم من نشناختند | نقد ایماں در حسدہا باختند
ایں جہانِ پُرستم کور و کراست | چشمِ شاں از چشمِ بوماں کمتراست

ذرّہ بودم مرا بنواختند
چوں خورے گشتم زچشم انداختند

میاں عبدالحق صاحب غزنوی نے ایک اشتہار نکالا ہے جو درحقیقت مولوی عبدالجبار اور اُن کے بھائیوں کی طرف سے معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ اس اشتہار میں جس قدر سخت زبانی اور ٹھٹھا اور ہنسی ہے جو قدیم سے طریق سفہاء کا ہے اس کو ہم خدا تعالےٰ کے عدل کے سپرد کرکے اصل باتوں کا جواب دیتے ہیں و باللہ التوفیق۔

ص۲۰

یہ اشتہار دو رنگ کے حملوں پر مشتمل ہے۔ اوّل میاں عبدالحق نے بعض گزشتہ نشانوں اور پیشگوئیوں کو جو فی الواقع پوری ہوچکیں یا وہ جو عنقریب پوری ہونے کو ہیں پیش کرکے عام لوگوں کو یہ دھوکہ دینا چاہا ہے کہ گویا وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مثلاً وہ اپنے اشتہار میں لکھتا ہے کہ ڈپٹی آتھم اور احمد بیگ ہوشیار پوری اور اس کے داماد والی پیشگوئی پوری نہیں ہوئیں۔ مگر ہمیں تعجب ہے کہ مولوی کہلاکر پھر ایسا گندہ جھوٹ بولنا ان لوگوں کی طبیعت کیونکر گوارا کرلیتی ہے کس کو معلوم نہیں کہ یہ دونوں پیشگوئیاں رجوع الی الحق اور توبہ کی شرط کے ساتھ مشروط تھیں۔ مگر احمد بیگ بباعث اس کے کہ اس کی نظر کے سامنے کوئی ہیبت ناک نمونہ موجود نہیں تھا اس شرط سے فائدہ اٹھا نہ سکا اور پیشگوئی کی منشاء کے موافق عین میعاد کے اندر فوت ہوگیا اور اس کی موت نے صفائی سے پیشگوئی کی ایک ٹانگ کو پورا کرکے دکھلا دیا۔ احمد بیگ وہ شخص تھا جس کی موت نے مخالف

مولویوں میں بڑا ماتم پیدا کیا اور محمد حسین نے لکھا کہ یقیناً اس شخص کو علم نجوم آتا ہے جس کی پیشگوئی ایسی صفائی سے پوری ہوگئی" مگر احمد بیگ کے داماد اور اس کے والدین اور اقارب نے جب یہ ہولناک نمونہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ قبل از مردن مردہ سمجھ لیا گیا اس لئے جیسا کہ انسان کی فطرت میں داخل ہے اس مشاہدہ سے بہت رجوع الی اللہ ان کے دلوں میں پیدا ہوا اور بعض نے مجھ کو خط لکھے کہ تقصیر معاف کریں اور ان کے گھروں میں دن رات ماتم شروع ہوا اور صدقہ خیرات اور نماز روزہ میں لگ گئے اور اس گاؤں کے لوگ عورتوں کا رونا اور چیخنا سنتے رہے غرض وہ تمام زن و مرد خوف سے بھر گئے اور یونس کی قوم کی طرح اُس عذاب کو دیکھ کر توبہ اور صدقہ اور خیرات میں مشغول ہوگئے۔ پھر سوچ لو کہ ایسی حالت میں ان کے ساتھ خدا تعالےٰ کا کیا معاملہ ہونا چاہیئے تھا۔ ایسا ہی ڈپٹی آتھم بھی احمد بیگ والے نشان کو سن چکا تھا اور بذریعہ اخبارات اور اشتہارات کے یہ نشان لاکھوں انسانوں میں مشہور ہوچکا تھا اس لئے اس نے بھی پیشگوئی کے سننے کے بعد خوف اور ہراس کے آثار ظاہر کئے۔ لہذا پیشگوئی کی شرط کے موافق خدا نے تاخیر دی کیونکہ شرط خدا کا وعدہ تھا اور وہ اپنے وعدہ کے برخلاف نہیں کرتا۔ یہ تمام دنیا کا مانا ہوا مسئلہ اور اہل اسلام اور نصاریٰ اور یہود کا متفق علیہ عقیدہ ہے کہ وعید یعنے عذاب کی پیشگوئی بغیر شرط توبہ اور استغفار اور خوف کے بھی ٹل سکتی ہے جیسا کہ یونس نبی کی چالیس دن کی پیشگوئی جس کے ساتھ کوئی شرط نہ تھی ٹل گئی اور نینوا کے رہنے والے جو ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے ان میں سے ایک بچہ بھی نہ مرا اور یونس نبی اس خیال اور اس ندامت سے کہ میری پیشگوئی جھوٹی نکلی اپنے ملک سے بھاگ گیا۔ اب سوچو کہ کیا یہ ایمانداری

صفحہ

ہے کہ اس اعتراض کرتے وقت اس قصہ کو یاد نہیں کرتے اور اس جگہ حدیث کے لفظ یہ ہیں کہ قال لن ارجع الیھم کذابًا یعنے یونس نے کہا کہ اب مَیں جھوٹا کہلا کر پھر اس قوم کی طرف ہرگز نہیں جاؤں گا۔ اگر حدیث پر اعتبار ہے تو درمنثور میں اس موقع کی تفسیر میں حدیثیں دیکھ لو اور اگر عیسائیوں کی بائبل پر اعتبار ہے تو یونہ نبی کی کتاب کو دیکھو آخر کسی وقت تو شرم چاہیئے۔ بے حیائی اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے اس ناانصافی اور ظلم کا خدا تعالےٰ کے پاس کیا جواب دوگے کہ تم لوگوں نے ستو پیشگوئی صفائی سے پوری ہوتے دیکھی اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا اور ایک دو پیشگوئیاں جن کو تم لوگ اپنی ہی جہالت سے سمجھ نہ سکے جو مشروط بشرائط تھیں ان پر شور مچا دیا۔ مگر یہ شور مجھ سے اور میری پیشگوئیوں سے خاص نہیں ہے۔ بھلا کسی ایسے نبی کا تو نام لو جس کی بعض پیشگوئیوں کی نسبت جاہلوں نے شور نہ مچایا ہو کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مَیں ابھی لکھ چکا ہوں کہ وعید یعنے عذاب کی پیشگوئیوں کی نسبت خدا تعالےٰ کی یہی سنت ہے کہ خواہ پیشگوئی میں شرط ہو یا نہ ہو تضرّع اور توبہ اور خوف کی وجہ سے ٹال دیتا ہے اس پر صرف یونس کا قصہ ہی گواہ نہیں بلکہ قرآن اور حدیث اور تمام نبیوں کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو عذاب دینے کا ارادہ فرماتا ہے اور اُس پر کوئی بلا نازل کرنا چاہتا ہے تو وہ بلا دعا اور توبہ اور صدقات سے ٹل سکتی ہے اب ظاہر ہے کہ خدا تعالےٰ جو عذاب دینے کا ارادہ کرتا ہے اگر اپنے اس ارادہ پر کسی نبی یا رسول یا محدث کو مطلع کر دے تو اس صورت میں وہی ارادہ پیشگوئی کہلاتا ہے۔ پس جبکہ مانا گیا ہے کہ وہ ارادہ دعا اور صدقہ اور خیرات سے ٹل سکتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ محض اس سبب سے کہ اس ارادہ کی کسی ملہم کو اطلاع بھی دی گئی ہے ٹل نہیں سکتا۔ کیا وہ ارادہ اطلاع

دینے کے بعد کچھ اور چیز بن جاتا ہے یا خدا کو اطلاع دینے کے بعد دعا اور توبہ اور صدقہ کے ذریعہ سے اس کو ٹال دینا ناگوار معلوم ہونے لگتا ہے اور قبل از اطلاع اس کو ٹالنا ناگوار معلوم نہیں ہوتا۔ افسوس کہ ناوان لوگ خدا تعالیٰ کے وعدہ اور اس کی وعید میں کچھ فرق نہیں سمجھتے۔ وعید میں دراصل کوئی وعدہ نہیں ہوتا صرف اس قدر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدوسیت کی وجہ سے تقاضا فرماتا ہے کہ شخص مجرم کو سزا دے اور بسا اوقات اس تقاضا سے اپنے ملہمین کو اطلاع بھی دے دیتا ہے پھر جب شخص مجرم توبہ اور استغفار اور تضرع اور زاری سے اُس تقاضا کا حق پورا کر دیتا ہے تو رحمت الٰہی کا تقاضا غضب کے تقاضا پر سبقت لے جاتا ہے اور اس غضب کو اپنے اندر محجوب و مستور کر دیتا ہے۔ یہی معنے ہیں اس آیت کے کہ عذابی اصیب به من اشاء ورحمتی وسعت کل شیء[1] یعنے رحمتی سبقت غضبی۔ اگر یہ اصول نہ مانا جائے تو تمام شریعتیں باطل ہو جاتی ہیں۔ پس کس قدر ہمارے مخالفوں پر افسوس ہے کہ وہ میرے کینہ کے لئے شریعت اسلامیہ پر تبر چلاتے ہیں۔ وہ جب حق بات سنتے ہیں تو تقویٰ سے کام نہیں لیتے بلکہ اس فکر میں لگ جاتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اس کو رد کرنا چاہیے۔ نہ معلوم کہ وہ معارف حقہ کو رد کرتے کرتے کہاں تک پہونچیں گے۔ یہ جو لکھا ہے کہ اولیا کے مقابلہ سے سلب ایمان کا خطرہ ہے وہ خطرہ اس وجہ سے بھی پیدا ہوتا ہے کہ صدیقوں اور اولیا کی باتیں سچائی کے چشمہ سے نکلتی ہیں اور ستون ایمان ہوتی ہیں مگر اُن کا مخالف اپنا یہ اصول مقرر کر لیتا ہے کہ ان کی ہر ایک بات کو رد کرتا جائے اور کسی کو قبول نہ کرے کیونکہ حسد اور عداوت بری بلا ہے لہٰذا ایک دن کسی ایسے مسئلہ میں مخالفت کر بیٹھتا ہے جس سے ایمان فی الفور رخصت ہو جاتا ہے مثلاً جیسا کہ یہ مسئلہ کہ خدا کا عذاب کا ارادہ

[1] الاعراف : ۱۵۷

خواہ اُس ارادہ کو کسی ملہم پر ظاہر کیا ہو یا نہ کیا ہو دعا اور صدقہ اور توبہ اور استغفار سے ٹل سکتا ہے کس قدر سچّا اور مغز شریعت اور تمام نبیوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے مگر کیا ممکن ہے کہ ایک نفسانی آدمی جو مجھ سے مخالفت رکھتا ہے وہ اس نکتۂ معرفت کو میرے منہ سے سن کر قبول کرے گا ؟ ہرگز نہیں ۔ وہ تو سنتے ہی اس فکر میں لگ جائے گا کہ اس کا کسی طرح رد کرنا چاہیے تا کسی پیشگوئی کی تکذیب کا یہ ذریعہ ٹھہر جائے ۔ اگر اس شخص کو خدا کا خوف ہوتا تو لوگوں کی طرف نہ دیکھتا اور ریاکاری سے غرض نہ رکھتا بلکہ اپنے تئیں خدا کے سامنے کھڑا سمجھتا اور وہی بات منہ پر لاتا جو بپابندی تقویٰ بیان کرنے کے لائق ہوتی ۔ اور ملامت اٹھاتا اور لوگوں کی لعنت سنتا مگر سچائی کی گواہی دے دیتا ۔ ولکن اذا غلبت الشقوۃ فاین السعادۃ ۔

دوسرا حملہ میاں عبدالحق کا یہ ہے کہ وہ تجویز جو مَیں نے خدا تعالےٰ کے الہام سے بطور اتمام حجت پیش کی تھی جس کو مَیں اس سے پہلے بھی بذریعہ اشتہار شائع کر چکا تھا یعنے بیماروں کی شفا کے ذریعہ سے استجابت دعا کا مقابلہ اس تجویز کو میاں عبدالحق منظور نہیں فرماتے اور یہ عذر کرتے ہیں کہ بھلا سارے مشائخ اور علماء ہندوستان و پنجاب کس طرح جمع ہوں اور ان کے اخراجات کا کون متکفل ہو ۔ مگر ظاہر ہے کہ یہ کیا فضول اور لچر عذر ہے ۔ جس حالت میں یہ لوگ قوم کا ہزارہا روپیہ کھاتے ہیں تو ایسے ضروری کام کے لئے دو چار روپیہ تک کرایہ خرچ کرنا کیا مشکل ہے یہ تو ہم نے قبول کیا کہ یہ لوگ دین کے لئے کوئی تکلیف اپنے پر گوارا نہیں کر سکتے لیکن ایسی ضروری مہم کے لئے کہ ہزارہا لوگ ان کے پنجہ سے نکلتے جاتے ہیں اور بزعم ان کے وہ کافر بنتے جاتے ہیں چند درہم کرایہ کے لئے جیب سے نکالنا کوئی بڑی مصیبت نہیں اور اگر کوئی شخص ایسا ہی ضربت

علیھم الذلۃ[1] کا مصداق ہے تو اس کو عبدالحق کی وکالت کی ضرورت نہیں میں دوسو کوس تک کے کرایہ کا خود ذمہ وار ہو سکتا ہوں چاہیے کہ وہ کسی سے قرض لیکر لاہور پہنچ جائے اور اپنے شہر کے کسی رئیس کا سارٹیفیکٹ مجھے دکھلا دے کہ حقیقت میں اس مولوی یا پیرزادہ پر سخت رزق کی مار نازل ہے قرضہ لے کر لاہور میں پہنچا ہے۔ تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ کرایہ میں دے دوں گا بشرطیکہ کوئی نامی مولوی یا پیرزادہ نہ ہو نامی ہو جیسے نذیر حسین دہلوی وغیرہ ۔ اور اگر یہ تجویز منظور نہیں تو صرف ضلع لاہور امرتسر گورداسپورہ لدھیانہ کے مولوی اور مشائخ اکٹھے ہو جائیں۔ ان میں سے بھی بشرط مذکورہ بالا ہر ایک مصیبت زدہ کا کرایہ میں دے دوں گا۔ وان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاعلموا انکم سترجعون الی اللہ ثم تسئلون۔

پھر میاں عبدالحق نے یہ کارروائی کی ہے کہ یہ عذر کر کے جس کا ابھی ہم نے جواب دیا ہے اپنی طرف سے ٹھٹھے اور ہنسی سے ایک نشان مانگا ہے اور اس ٹھٹھے میں گذشتہ منکرین سے کم نہیں رہے ۔ کیونکہ عرب کے لوگوں نے اس قسم کے ہنسی اور ٹھٹھے سے کبھی نشان نہیں مانگا کہ فلاں صحابی کی ٹانگ کمزور ہے وہ درست ہو جائے یا اس کی کسی آنکھ میں بصارت نہیں وہ ٹھیک ہو جائے ہاں مکہ کے لوگوں نے یہ نشان مانگا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر سونے کا ہو جائے اور اس کے اردگرد نہریں بھی جاری ہوں اور نیز یہ کہ آپ ان کے دیکھتے ہوئے آسمان پر چڑھ جائیں اور دیکھتے دیکھتے آسمان پر سے اتر آئیں اور خدا کی کتاب ساتھ لادیں اور وہ اس کو ہاتھ میں لے کر ٹٹول بھی لیں تب ایمان لائیں گے ۔ اس درخواست میں اگرچہ جہالت تھی لیکن میاں عبدالحق کی طرح ایذا دینے والی شرارت نہ تھی ۔ ایسا ہی حضرت عیسٰی علیہ السلام سے لوگوں نے نشان مانگے تھے ۔ لیکن ظاہر ہے کہ اُن درخواست کنندہ لوگوں کو ان کے منہ مانگے نشان نہیں دیئے گئے تھے بلکہ

[1] آل عمران : ۱۱۳

زجر اور توبیخ سے جواب دیا گیا تھا اور قرآن شریف میں اقتراحی نشانوں کے مانگنے والوں کو یہ جواب دیا گیا تھا کہ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا[1] ۔ یعنے خدا تعالیٰ کی شان اس تہمت سے پاک ہے کہ کسی اس کے رسول یا نبی یا ملہم کو یہ قدرت حاصل ہو کہ جو الوہیت کے متعلق خارق عادت کام ہیں ان کو وہ اپنی قدرت سے دکھلائے اور فرمایا کہ ان کو کہدے کہ مَیں تو صرف آدمیوں میں سے ایک رسول ہوں جو اپنی طرف سے کسی کام کے کرنے کا مجاز نہیں ہوں۔ محض امر الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔ پھر مجھ سے یہ درخواست کرنا کہ یہ نشان دکھلا اور یہ نہ دکھلا سراسر حماقت ہے جو کچھ خدا نے کہا وہی دکھلا سکتا ہوں نہ اور کچھ۔ اور انجیل میں خود تراشیدہ نشان مانگنے والوں کو صاف لفظوں میں حضرت مسیح مخاطب کرکے کہتے ہیں کہ اس زمانہ کے حرام کار لوگ مجھ سے نشان مانگتے ہیں ان کو بجز یونس نبی کے نشان کے اور کوئی نشان دکھلایا نہیں جائے گا یعنے نشان یہ ہوگا کہ باوجود دشمنوں کی سخت کوشش کے جو مجھے سولی پر ہلاک کرنا چاہتے ہیں میں یونس نبی کی طرح قبر کے پیٹ میں جو مچھلی سے مشابہ ہے زندہ ہی داخل ہوں گا اور زندہ ہی نکلوں گا اور پھر یونس کی طرح نجات پاکر کسی دوسرے ملک کی طرف جاؤں گا۔ یہ اشارہ اس واقعہ کی طرف تھا جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے جیسا کہ اس حدیث سے ثابت ہے کہ جو کنز العمال میں ہے یعنے یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام صلیب سے نجات پاکر ایک سرد ملک کی طرف بھاگ گئے تھے یعنے کشمیر جس کے شہر سری نگر میں ان کی قبر موجود ہے۔ غرض جب حضرت مسیح سے ان کے دشمنوں نے نشان مانگا اور میاں عبدالحق کی طرح بعض خود تراشیدہ نشان پیش کئے کہ ہمیں یہ دکھلاؤ اور یہ دکھلاؤ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہی جواب تھا جو ابھی ہم نے تحریر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ میاں عبدالحق کا ایسے اقتراحی نشان

[1] بنی اسرائیل: ۹۴

کے مانگنے میں کچھ قصور نہیں ہے بلکہ حسب آیت تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ[1] ان کی طبیعت ہی اُن بدبخت کفار کے مشابہ واقع ہوئی ہے جو خدا تعالیٰ کے نشانوں کو قبول نہیں کرتے تھے اور اپنی طرف سے اختراع کرکے درخواستیں کرتے تھے کہ ایسے ایسے نشان دکھاؤ۔ لیکن اگر افسوس ہے تو صرف یہ ہے کہ ان لوگوں نے مولوی کہلا کر ہنسی ٹھٹھا اپنا شیوہ بنالیا ہے۔ جو شخص عبدالحق کے اشتہار کو غور سے پڑھے گا اس کو قبول کرنا پڑے گا کہ انہوں نے اخویم مولوی عبدالکریم صاحب کا شرارت اور بے ادبی سے ذکر کرکے ان کی ٹانگ کی درستی یا آنکھ کی نظر کی نسبت جو نشان مانگا ہے یہ ایک اوباشانہ طریق پر ٹھٹھا کیا ہے جو کسی پرہیزگار اور نیک بخت کا کام نہیں ہے۔ پلید دل سے پلید باتیں نکلتی ہیں اور پاک دل سے پاک باتیں۔ انسان اپنی باتوں سے ایسا ہی پہچانا جاتا ہے جیسا کہ درخت اپنے پھلوں سے۔ جس حالت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں صاف فرمادیا کہ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ[2] یعنے لوگوں کے ایسے نام مت رکھو جو ان کو بُرے معلوم ہوں تو پھر برخلاف اس آیت کے کرنا کن لوگوں کا کام ہے۔ لیکن اب تو نہ ہم عبدالحق پر افسوس کرتے ہیں نہ اس کے دوسرے رفیقوں پر کیونکہ ان لوگوں کا ظلم اور ناانصافی اور دروغ گوئی اور افترا حد سے گذر گیا ہے اسی اشتہار کو پڑھ کر دیکھ لو کہ کس قدر جھوٹ سے کام لیا ہے کیا کسی جگہ بھی خدا تعالیٰ سے حیا کی ہے چنانچہ ہم بطور نمونہ بطرز قولہ واقوال اس ظالم شخص کے جھوٹوں کا ذخیرہ ذیل میں لکھ دیتے ہیں جو اسی اشتہار میں اس نے استعمال کئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

قولہ مرزا بارہا متفرق مواضع کے مباحثات میں شرمندہ اور لاجواب ہوا اور ہر مجمع میں خائب اور خاسر اور نامراد رہا۔

صفحہ ۱۱

[1] البقرۃ: ۱۱۹ [2] الحجرات: ۱۲

اقول۔ کیوں میاں عبدالحق کیا یہ تم نے سچ بولا ہے۔ کیا اب بھی ہم لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین نہ کہیں۔ شاباش! عبداللہ غزنوی کا خوب تم نے نمونہ ظاہر کیا۔ شاگرد ہوں تو ایسے ہوں۔ بھلا اگر سچے ہو تو ان مجامع اور مجالس کی ذرہ تشریح تو کرو جن میں مَیں شرمندہ ہوا اس قدر کیوں جھوٹ بولتے ہو کیا مرنا نہیں ہے؟ بھلا ان مباحثات کی عبارات تو لکھو جن میں تم یا تمہارا کوئی اور بھائی غالب رہا ورنہ نہ مَیں بلکہ آسمان بھی یہی کہہ رہا ہے کہ لعنۃ اللّٰہ علی الکاذبین میری طرف سے اتمام حجت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا تھا کہ مَیں نے قرآن سے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ حدیث سے ثابت کر دیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے اور ان کی عمر ایک سو پچیس برس کی تھی۔ معراج کی حدیث نے ثابت کر دیا کہ وہ مردوں میں جا ملے اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے آسمان پر حضرت یحیٰؑ کے پاس انہیں دیکھا۔ کیا اب بھی ان کے مرنے میں کسر باقی رہ گئی تمام صحابہ کا ان کی موت پر اجماع ہو گیا اور اگر اجماع نہیں ہوا تھا تو ذرہ بیان تو کرو کہ جب حضرت عمرؓ کے غلط خیال پر کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے اور پھر دوبارہ دنیا میں آئیں گے حضرت ابوبکرؓ نے یہ آیت پیش کی کہ ما محمّد الّا رسُول قد خلت من قبلہ الرسلؑ[1] تو حضرت ابوبکرؓ نے کیا سمجھ کر یہ آیت پیش کی تھی اور کونسا استدلال مطلوب تھا جو مناسب محل بھی تھا اور صحابہ نے اس کے معنے کیا سمجھے تھے اور کیوں مخالفت نہیں کی تھی اور کیوں اس جگہ لکھا ہے کہ جب یہ آیت صحابہ نے سنی تو اپنے خیالات سے رجوع کر لیا۔ اسی طرح میں نے حدیثوں سے ثابت کر دیا ہے کہ آنے والا مسیح موعود اسی امت میں سے ہوگا اور اس کے ظہور کا یہی زمانہ ہے جیساکہ حدیث یکسر الصّلیب سے سمجھا جاتا ہے۔

۱۲۱ؔ

[1] آل عمران: ۱۴۵

پھر آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ میری ہی دعوت کے وقت میں آسمان پر رمضان میں خسوف کسوف عین حدیث کے موافق وقوع میں آیا اور میرے ہاتھ پر ستّو کے قریب نشان ظاہر ہوا جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں جن کی تفصیل کتاب تریاق القلوب میں درج ہے کوئی طریق باقی نہیں رہا جس میں تے اتمام حجت نہیں کیا۔ نقلی طور پر مَیں نے اتمام حجت کیا۔ عقلی طور پر میں نے اتمام حجت کیا۔ آسمانی نشانوں کے ساتھ مَیں نے اتمام حجت کیا اب اگر کچھ حیا ہے تو خود سوچ لو کہ کون شرمندہ اور خائب اور خاسر اور نامراد رہا اور مَیں نے صرف اسی پر بس نہیں کی۔ بارہا اشتہار دیئے کہ اگر آپ لوگوں میں کچھ سچائی ہے تو میرے مقابلہ پر آؤ قرآن سے دکھلاؤ یا حدیث سے دکھلاؤ کہاں لکھا ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے تھے اور پھر زندہ مع جسم عنصری آسمان پر سے اتریں گے۔ مَیں تو اب بھی ماننے کو طیار ہوں اگر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِیْ کے معنے بجز مارنے اور ہلاک کرنے کے کسی حدیث سے کچھ اور ثابت کر سکو یا کسی آیت یا حدیث سے حضرت عیسٰے علیہ السلام کا مع جسم عنصری آسمان پر چڑھنا یا مع جسم عنصری آسمان سے اترنا ثابت کر سکو۔ یا اگر اخبار غیبیّہ میں جو خدا تعالٰے سے مجھ پر ظاہر ہوتی ہیں میرا مقابلہ کر سکو یا استجابت دعا میں میرا مقابلہ کر سکو یا تحریر زبان عربی میں میرا مقابلہ کر سکو یا اور آسمانی نشانوں میں جو مجھے عطا ہوئے ہیں میرا مقابلہ کر سکو تو مَیں جھوٹا ہوں۔ آپ لوگ تو ان سوالات کے وقت مردہ کی طرح ہو گئے یہی وجہ تو ہے کہ آپ لوگوں کو چھوڑ کر ہزارہا نیک مرد اور عالم فاضل اس جماعت میں داخل ہوتے جاتے ہیں۔ اے عزیز! یہ اوباشانہ فضولیاں کچھ کام نہیں دے سکتیں۔ کیا حق کے طالب ایسی بے ہودہ باتوں سے رُک سکتے ہیں؟ یہ غزنی نہیں ہے

یہ پنجاب ہے جس میں بفضلہ تعالیٰ دن بدن لوگ زیرک اور اہل فراست ہوتے جاتے ہیں۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ انہی اوباشانہ جھوٹوں کی وجہ سے عقلمند لوگ آپ لوگوں سے بد اعتقاد ہوتے جاتے ہیں یہاں تک کہ اب اگرچہ خاص لوگ اہل علم و اہل جاہ و ثروت دس ہزار کے قریب ہماری جماعت میں موجود ہیں مگر عام تعداد تیس ہزار سے بھی زیادہ ہے اس کا کیا سبب ہے یہی تو ہے کہ آپ لوگ صرف ٹھٹھے ہنسی اور گالیوں سے کام نکالتے ہیں کوئی راست روی کا پہلو اختیار نہیں کرتے۔ سیدھی بات تھی کہ آپ لوگ ملہم کہلاتے ہیں استجابت دعا کا بھی دعویٰ ہے چند پیشگوئیاں جو استجابت دعا پر بھی مشتمل ہوں بذریعہ اشتہار شائع کردیں اور اس طرف سے میں بھی شایع کردوں ایک برس سے زیادہ میعاد نہ ہو پھر اگر آپ لوگوں کی پیشگوئیاں سچی نکلیں تو ایکدم میں ہزارہا لوگ میری جماعت کے آپ کے ساتھ شامل ہو جائیں گے اور جھوٹے کا منہ کالا ہو جائے گا۔ کیا آپ اس درخواست کو قبول کرلیں گے؟ ممکن نہیں۔ پس یہی وجہ ہے کہ حق کے طالب آپ لوگوں سے بیزار ہوتے جاتے ہیں۔ صرف گالیوں اور بے ثبوت افتراؤں سے کون مان لے گا۔ اب بھی میں نے آپ لوگوں پر رحم کرکے ایک اشتہار شایع کیا ہے اور ایک اشتہار میری جماعت کی طرف سے شایع ہوا ہے مگر کیا ممکن ہے کہ آپ لوگ اس تصفیہ کے لئے کسی مجمع میں حاضر ہو سکیں گے آپ لوگوں کی نیت بخیر نہیں۔ منہ سے گالیاں دینا تحقیر کرنا کافر اور دجال کہنا لعنت بھیجنا جھوٹ بولنا اور جھوٹی فتح کا اظہار کرنا کیا اس سے کوئی فتح حاصل ہو سکتی ہے بلکہ ہمیشہ نبی اور راستباز شریر لوگوں سے ایسے ہی الفاظ سنتے رہے ہیں۔ اگر خدا پر بھروسہ ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ہے تو اس کی طرف سے کوئی پیشگوئی شایع کرو اور بالمقابل ہم سے دیکھ لو ورنہ مردہ کی طرح پڑے رہو

ص ۱۹۵

اور انتظار وقت کرو۔ اگر صرف گالیاں دینا ہے تو میں آپ کا مُنہ بند نہیں کر سکتا۔ نہ حضرت موسیٰ ایسی بیہودہ گوئیوں کا مُنہ بند کر سکے۔ نہ حضرت عیسیٰ بند کر سکے اور نہ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بند کر سکے۔ لیکن آپ لوگوں میں اگر کوئی رشید ہو تو اُس کو سوچنا چاہیئے کہ میری دعوت کے قبول کرنے کے لئے کس قدر مسلمانوں میں پُرجوش حرکت ہو رہی ہے۔ پشاور سے چلکر راولپنڈی جہلم۔ گجرات۔ سیالکوٹ۔ گوجرانوالہ۔ وزیرآباد۔ امرتسر۔ لاہور۔ جالندھر۔ لدھیانہ انبالہ۔ پٹیالہ۔ دہلی۔ الہ آباد۔ بمبئی۔ کلکتہ۔ مدراس۔ حیدرآباد دکن۔ غرض کہاں تک بیان کریں۔ پنجاب اور ہندوستان کے تمام شہروں اور دیہات کو دیکھو شاذ نادر ایسا کوئی شہر ہوگا کہ جو اس جماعت کے کسی فرد سے خالی ہوگا۔ اب اگر مسلمانوں کی سچی ہمدردی ہے تو صرف یہ اوباشانہ باتیں کافی نہیں ہیں کہ مرزا بارہا لاجواب ہو چکا ہے اور خائب اور خاسر اور نامراد رہا ہے۔ اب ایسے جھوٹ سے تو واقف کار لوگوں کو مُردار سے زیادہ بدبُو آتی ہے اور کوئی شریف اسکو پسند نہیں کریگا۔ یُوں تو ہندو اور چوہڑے اور چمار اور ادنیٰ سے ادنیٰ لوگ بارہا کہہ دیتے ہیں کہ ہم نے مسلمانوں سے مذہب میں گفتگو کرکے لاجواب کر دیا اور وہ ہمارے ہر مجمع میں لاجواب اور خائب اور خاسر اور نامُراد رہے۔ مگر شریف انسان کو ایسے ناپاک جھُوٹ سے نفرت چاہیئے۔ اے عزیز اگر ایمان اور مُسلمانوں کی ہمدردی کا حصّہ ایک ذرہ بھی دل میں موجود ہے۔ تو ان فضول گوئیوں کا اب یہ وقت نہیں ہے۔ اب واقعی طور پر کوئی مقابلہ کرکے دِکھلانا چاہیئے۔ تا سیہ رُوئے شود ہر کہ دروغش باشد۔

قولہ ۔ مباہلہ میں کما حقہٗ علیٰ رؤس الاشہاد رُسوا اور ذلیل ہوکر قابل خطاب اور لائق جواب علماء عظام و صوفیہ کرام نہیں رہا۔

اقول ۔ افسوس کہ مباہلہ کا ذکر کرکے اور اس قدر قابلِ نفرت جھُوٹ بول کر

اور بھی تم نے اپنی رُسوائی اور پردہ دری کرائی۔ مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ آپ لوگوں کا حیا
کہاں گیا۔ اور تقویٰ اور راست گوئی سے اس قدر کیوں دشمنی ہوگئی۔ سو چکر دیکھ لو کہ
جس قدر تم پر اور تمہاری جماعت پر ادبار ہے وہ مباہلہ کے دن کے بعد ہی شروع
ہُوا ہے۔ یہ تو میری سچائی کا ایک بڑا نشان تھا جس سے آپ نے اپنی بدقسمتی سے
ذرہ فائدہ نہیں اُٹھایا۔ نہ معلوم آپ لوگ کس غار کے اندر بیٹھے ہو کہ زمانہ کے
حالات کی کچھ بھی خبر نہیں۔ ہزارہا لوگ بول اُٹھے ہیں۔ اور بے شمار رُوحیں محسوس
کر گئی ہیں کہ ہمارے اقبال اور ترقی اور تمہارے ادبار اور تنزّل کا دِن مباہلہ کا دِن
ہی تھا۔ ایک ادنیٰ مثال دیکھ لو کہ مباہلہ کے دن بلکہ اسی وقت علی رؤس الاشہاد
جبکہ مباہلہ ختم ہی ہُوا تھا اور ابھی تم اور ہم دونوں اُسی میدان میں موجود تھے اور
تمام مجمع موجود تھا۔ خدا تعالیٰ نے میری عزت اُس مجمع پر ظاہر کرنے کے لئے ایک
فوری ذلت اور فوری رُسوائی تمہارے نصیب کی۔ یعنے فی الفور ایک گواہ تمہاری جماعت
میں سے کھڑا کر دیا۔ وہ کون تھا۔ منشی محمد یعقوب جو حافظ محمد یوسف کا بھائی ہے۔ اُس نے
قسم کھائی اور رو رو کر مجھے مخاطب کر کے بیان کیا کہ مَیں گواہی دیتا ہوں کہ تم سچے ہو۔
کیونکہ مَیں نے مولوی عبداللہ غزنوی سے سُنا ہے کہ ایک خواب کی تعبیر کے موقع پر
انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور کہا کہ ایک نور آسمان سے اُترا ہے اور وہ مرزا غلام احمد
قادیانی ہے۔ اب دیکھو کہ تم ابھی مباہلہ کے مکان سے علیحدہ نہیں ہُوئے تھے۔ کہ
خدا نے تمہیں ذلیل کر دیا۔ اور جس شخص کی استادی کا تم فخر کرتے ہو اُسی نے گواہی
دیدی کہ تم جھوٹے اور غلام احمد قادیانی سچا ہے۔ اب اس سے زیادہ مباہلہ کا فوری اثر
کیا ہوگا۔ کہ میرے لئے خدا کا اکرام و اعزاز اُسی وقت ظاہر ہوگیا اور اُسی وقت
میری سچائی کی گواہی مل گئی اور گواہی بھی تمہارے اُس اُستاد کی یعنے عبداللہ غزنوی کی کہ
اگر اُس کی بات نہ مانو تو عاق کہلاؤ۔ کیونکہ تمہارا سارا شرف اُسی کے طفیل ہے۔ اگر اُس کو

صفحہ ۱۶

تم نے جھوٹا سمجھا تو پھر تم ناخلف شاگرد ہو۔ غرض یہ خدا کا ایک نشان تھا کہ مباہلہ ہوتے ہی اُسی میدان میں اُسی گھڑی اُسی ساعت خدا نے تمہیں تمہارے ہی اُستاد کی گواہی سے تمہاری ہی جماعت کے آدمی کے ذریعہ سے ذلیل اور رُسوا کر دیا اور نامرادی ظاہر کر دی۔ پھر مباہلہ کے بعد ایک اور نشان میری عزّت کا پیدا ہوا۔ جس کے لاکھوں انسان گواہ ہیں اور وُہ یہ کہ ہمارے سلسلہ کے لئے مجھے وہ فتوحات مالی ہوئیں کہ اگر مَیں چاہتا تو اُن سے ایک غزنی کا بڑا حصّہ خرید سکتا۔ چنانچہ اسپر سرکاری ڈاکخانجات کے وہ رجسٹر گواہ ہیں جن میں منی آرڈر درج ہوا کرتے ہیں۔ مگر کیا تمہیں اِس کے بعد کوئی ۲ ؍ کا منی آرڈر بھی آیا۔ اگر آیا تو اِس کا ثبوت دو۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ ہزارہا روپیہ جو مباہلہ کے بعد مجھے بھیجا گیا جو تیس ہزار روپیہ سے کم نہ تھا۔ کیا اِس بات پر دلیل نہیں ہے جو مسلمان لوگوں نے مجھے عزّت اور بزرگی کی نظر سے دیکھا اور مجھے عزیز رکھکر میرے پہ اپنے مال فدا کئے۔ یہ ایک عظیم الشان نشان ہے جس سے انکار کرنا آفتاب پر تھوکنا ہے۔ پھر مباہلہ کی تاثیر کا نشان یہ ہے کہ یہ تیس ہزار آدمی کی جماعت جو اَب میرے ساتھ ہے۔ یہ مباہلہ کے بعد ہی مجھکو ملی۔ آتھم کا وفات پا کر ہمیشہ کے لئے اسلامی مخالفت کو ختم کر کے دُنیا سے رخصت ہو جانا مباہلہ کے بعد ہی پیشگوئی کے موافق ظہور میں آیا۔ پیشگوئی کا یہ منشاء تھا کہ جو ہم دونوں میں سے جھوٹا مذہب رکھتا ہے وُہ پہلے مرے گا۔ سو آتھم نے مجھ سے پہلے وفات پا کر میری سچائی پر مُہر لگا دی۔ پھر بعد اس کے لیکھرام کے قتل کا وہ نشان ظاہر ہوا جسپر تخمیناً تین ہزار مسلمان اور ہندوؤں نے ایک محضر نامہ پر جو ہماری طرف سے طیار ہوا تھا۔ یہ گواہی اپنی قلم سے ثبت کر دی کہ یہ پیشگوئی نہایت صفائی سے ظہور میں آئی۔ اسی محضر نامہ پر سیّد فتح علی شاہ صاحب ڈپٹی کلکٹر نہر کے دستخط ہیں۔ جو مخالف جماعت میں سے ہو کر تصدیق کرتا ہے۔

ص۱۷

یہ یقینی امر ہے کہ تیس ہزار کے قریب لوگ اس پیشگوئی کو دیکھکر ایمان لائے۔ ورنہ ہماری جماعت مباہلہ سے پہلے تین سو سے زیادہ نہ تھی۔ پھر بعد اسکے خدا تعالیٰ کے نشانوں کی اِس قدر بارش ہوئی کہ سَو سے زیادہ نشان ظہور میں آیا جن کے لاکھوں انسان گواہ ہیں۔ بڑے بڑے امراء اور تاجر اِس جماعت میں داخل ہوئے۔ اور ایک دُنیا ارادت اور اعتقاد کے ساتھ میری طرف دَوڑی اور ایک عظیم الشان قبولیت زمین پر پھیل گئی۔ کیا اِس میں تمہاری ذلّت نہ تھی۔ انسان دُور بیٹھا ہوا اندھے کے حکم میں ہوتا ہے۔ اگر ایک دو ہفتہ قادیان میں آکر دیکھو کہ کیونکر ہزارہا کوس سے ہر طرف سے لوگ آرہے ہیں اور کیونکر ہزارہا روپیہ میرے قدموں پر ڈال رہے ہیں۔ اور کیونکر ہر ایک ملک سے قیمتی تحفے اور سوغاتیں اور پھل چلے آتے ہیں اور کیونکر صدہا لوگوں کے لئے ایک وسیع لنگر خانہ طیار ہے اور کیونکر ہماری جامع مسجد میں صدہا آدمی جو بیعت میں داخل ہیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور کیونکر بے شمار زیارت کرنے والے قدموں پر گرے جاتے ہیں تو غالباً یہ نظارہ آپ کے لئے بباعثِ شدّتِ غم ناگہانی موت کا موجب ہوگا۔ اب ذرہ انصاف سے سوچو کہ مباہلہ کے بعد کون رُسوا اور ذلیل ہوا اور کس نے عزّت پائی۔ اگر تمہیں خبر ہوتی کہ مباہلہ کے پہلے میری جماعت کیا تھی اور قبولیت کس قدر تھی اور پھر مباہلہ کے بعد کس قدر قبولیت زمین پر پھیل گئی اور کس قدر فوج در فوج لوگ اِس مبارک سلسلہ میں داخل ہُوئے تو یقین تھا کہ تم شدّت غم سے مدقوق یا مسلول ہو کر مُدّت سے مر بھی جاتے۔ مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں جسکی جھوٹی قسم کھانا لعنتی کا کام ہے اور اِس قسم کو سچ نہ سمجھنا بھی لعنتی کا کام کہ میری عزّت اور قبولیت مباہلہ سے پہلے ایک قطرہ کے موافق تھی اور اب مباہلہ کے بعد ایک دریا کی مانند ہے۔

غرض ہر ایک پہلو سے خدا نے میری مدد کی یہانتک کہ مَیں نے خدا تعالےٰ

۱۸۰

سے الہام پاکر ایک پیشگوئی اپنی کتابوں میں شائع کی تھی کہ عبدالحق غزنوی نہیں مرے گا جبتک میرا چوتھا بیٹا پیدا نہ ہو۔ سو الحمد للہ کہ وہ بھی تمہاری زندگی میں ہی پیدا ہوگیا جس کا نام مبارک احمد ہے۔ اور اسی طرح سو کے قریب اور نشان ظاہر ہوا۔ اور عزت پر عزت حاصل ہوتی گئی۔ یہانتک کہ دشمنوں نے میری عزت کو اپنے لئے ایک عذاب دیکھ کر درد حسد سے مقدمات بھی بنائے۔ لیکن ہر میدان میں مخذول اور مردود رہے۔ اب بتلاؤ کہ تمہیں مباہلہ کے بعد کونسی عزت اور قبولیت ملی اور کس قدر جماعت نے تمہاری بیعت کی اور کس قدر فتوحات مالی نصیب ہوئیں اور کس قدر اولاد ہوئی۔ بلکہ تمہارا مباہلہ تو تمہاری جماعت کے مولوی عبدالواحد کو بھی لے ڈوبا اور اسکی بھی بیوی کے فوت ہونے سے خانہ بربادی ہوئی۔ مجھے خدا نے وعدہ دیا تھا کہ مباہلہ کے بعد دو اور لڑکے تمہارے گھر پیدا ہوں گے۔ سو دو اور پیدا ہوگئے۔ اور وہ دونوں پیشگوئیاں جو صدہا انسانوں کو سنائی گئی تھیں پوری ہوگئیں۔ اب بتلاؤ کہ تمہاری پیشگوئیاں کہاں گئیں۔ ذرہ جواب دو کہ اس فضول گوئی کے بعد کس قدر لڑکے پیدا ہوئے۔ ذرہ انصاف سے کہو کہ جبکہ تم منہ سے دعوے کرکے اور اشتہار کے ذریعہ لڑکے کی شہرت دیکر پھر صاف نامراد اور خائب و خاسر رہے۔ کیا یہ ذلت تھی یا عزت تھی؟ اور اس میں کچھ شک نہیں کہ مباہلہ کے بعد جو کچھ قبولیت مجھ کو عطا ہوئی۔ وہ سب تمہاری ذلت کا موجب تھی۔

صـ۱۹

قولہ۔ کیا آتھم اور داماد مرزا احمد بیگ اور آپ کے فرزند موعود کا کوئی نتیجہ ظہور میں آیا۔

اقول۔ ہزارہا دانشمند انسان اس بات کو مان گئے ہیں کہ آتھم پیشگوئی کے مطابق مرگیا۔ اور اگر زندہ ہے تو پیش کرو۔ اور اگر یہ کہو کہ میعاد کے اندر فوت نہیں ہوا

تو یہ تمہارا حمق ہے کہ ایسا خیال کرو۔ کیونکہ پیشگوئی شرطی تھی اور شرط کے تحقق نے میعاد کی رعایت کو باطل کر دیا تھا۔ اور نیز میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ یونس نبی کو سچا نبی مانتے ہو یا نہیں۔ اس کی پیشگوئی کیوں خطا ہو گئی۔ اس میں تو کوئی شرط بھی نہ تھی۔ پھر اگر حیا اور ایمان ہے تو شرطی پیشگوئیوں پر کیوں اعتراض کرتے ہو۔ دیکھو یونہ نبی کی کتاب اور دُرِّ منثور کہ کیسے یونہ نبی کو پیشگوئی کے خطا جانے سے تکالیف اٹھانی پڑیں۔ اب یونس کو مجھ سے زیادہ تر بُرا کہو کہ اُسکی قطعی پیشگوئی جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہ تھی خطا گئی۔ اے نادانو! اسلام پر کیوں تبر چلاتے ہو۔ حق یہی ہے کہ وعید کی پیشگوئی میں خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہوتا ہے کہ توبہ اور استغفار اور رجوع سے اس میں تاخیر ڈالدے گو اس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہ ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو تمام صدقات اور خیرات اور دعوات باطل ہو جائیں گی۔ اور یہ اصول جو تمام نبیوں کا مانا ہوا ہے کہ یرد القضاء بالصدقات والدعاء صحیح نہیں رہے گا۔ ماسوا اِسکے ہر ایک عقلمند سوچ سکتا ہے کہ میرا اور ڈپٹی آتھم کا مقابلہ کسی میرے دعوے کے متعلق نہ تھا۔ اِس تمام بحث کا خلاصہ مطلب یہی تھا کہ آتھم یہ کہتا تھا کہ عیسائی دین سچا ہے اور نعوذ باللہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مفتری ہیں اور قرآن خدا کا کلام نہیں بلکہ انسان کا افترا ہے۔ اور میں کہتا تھا کہ عیسائی مذہب اپنی اصلیت پر قائم نہیں اور تثلیث و کفارہ وغیرہ سب باطل ہیں۔ پس جب پندرہ دن بحث کے ختم ہو گئے۔ تو آخری دن میں جیساکہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہام کیا۔ میں نے اُسی مجلس بحث میں جس میں ستر سے زیادہ مسلمان اور عیسائی موجود ہونگے آتھم کو مخاطب کر کے کہا کہ تم نے اپنی کتاب میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دجّال رکھا ہے۔ اور اِسلام کو جھوٹا مذہب ٹھہرایا ہے۔ اور دیکھو اسوقت تم نے عیسائی مذہب کے

حامی ہو کر بحث کی ہے۔ اور مَیں نے اسلام کو حق سمجھکر اس کی حمایت میں بحث کی ہے۔ اب مَیں خدا سے الہام پاکر کہتا ہوں کہ ہم دونوں میں سے جو شخص جھوٹے مذہب کا حامی ہے وُہ سچے کے زندہ ہونے کی حالت میں ہی ہاویہ میں گرایا جاوے گا یعنے مرے گا۔ مگر جو سچے مذہب کا حامی ہے وہ سلامت رہے گا۔ اور جھوٹے کی موت پندرہ مہینہ کے اندر اس حالت میں ہوگی جبکہ وہ حق کی طرف کچھ بھی رجوع نہ کریگا۔ جب مَیں یہ پیشگوئی بیان کر چکا جس کا یہ خلاصہ ہے۔ تو اُسی وقت آتھم نے زبان نکالی اور توبہ کرنے والوں کی طرح دونوں ہاتھ اُٹھائے اور دجّال کہنے سے اپنی پشیمانی ظاہر کی۔ پس بلاشبہ ایک عیسائی کی طرف سے یہ ایک رجوع ہے جس کے ستّر سے زیادہ مسلمان اور عیسائی گواہ ہیں اور بعد اسکے برابر پندرہ مہینے تک عبداللہ آتھم کا گوشۂ تنہائی میں بیٹھنا اور امرتسر کے عیسائیوں کا ترک صحبت کرنا اور قانوناً نالش کرنے کا حق رکھکر پھر بھی نالش نہ کرنا اور اقرار کرنا کہ مَیں ان لوگوں کی طرح حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا نہیں مانتا اور باوجود چار ہزار روپیہ انعام پیش کرنے کے قسم کھانے سے انکار کرنا اور میعاد پیشگوئی میں ایک حرف بھی ردِّ اسلام میں نہ لکھنا اور روتے رہنا اور برخلاف اپنی قدیم عادت کے ترک مباحثہ مسلمانوں سے کرنا یہ تمام ایسی باتیں ہیں کہ اگر انسان مفسد اور سیہ دل نہ ہو تو ضرور ان سے نتیجہ نکالے گا۔ کہ بلاشبہ عبداللہ آتھم پیشگوئی کے سُننے کے بعد ڈرا اور اسلامی عظمت کو دل میں بٹھایا۔ لہذا ضرور تھا کہ بقدر اپنے رجوع کے الہامی شرط سے فائدہ اُٹھاتا۔ پھر ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے وُہ شخص کیسا مسلمان ہے کہ جو اِس قسم کے مذہبی مباحثہ میں جس کا نعوذ باللہ میرے مغلوب ہونے کی حالت میں اثر بد اسلام پر پڑتا ہے۔ پھر بھی کہے جاتا ہے کہ عیسائیوں کی فتح ہُوئی اور پیشگوئی جھوٹی نکلی۔ اے نادان اگر پیشگوئی جھوٹی نکلی تو پھر تجھے عیسائی ہو جانا چاہیئے کیونکہ اس صُورت میں

حاشیہ ۲۱

عیسائی مذہب کا سچا ہونا ثابت ہوا۔ تم لوگوں کے لئے کیسے فخر کی بات تھی کہ دو شخص دو قوموں میں سے اسلام کے مقابل پر اُٹھے یعنے آتھم اور لیکھرام۔ اور اُن کو ایک آسمانی فیصلہ کے طور پر سُنایا گیا کہ جو شخص جھوٹے مذہب پر ہوگا وہ اُس فریق سے پہلے مر جائے گا کہ جو سچے مذہب پر قائم ہے۔ چنانچہ میری زندگی میں ہی آتھم اور لیکھرام دونوں مر گئے اور مَیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ابتک زندہ ہوں۔ اور اگر اسلام سچا نہ ہوتا تو ممکن تھا بلکہ ضروری تھا۔ کہ مَیں پہلے ان سے مَر جاتا۔ پس خدا سے ڈرو۔ اور اُس فتح کو جو خدا کے کمال فضل سے اِسلام کو نصیب ہوئی میرے حسد کے لئے شکست کے پیرایہ میں بیان مت کرو۔ دیکھو اِس وقت آتھم کہاں ہے لیکھرام کس مُلک میں ہے۔ کیا یہ سچ نہیں کہ کئی برس ہوئے کہ آتھم فوت ہوگیا اور فیروزپور میں اُس کی قبر ہے۔ پس جبکہ پیشگوئی کی اصل غرض جو میری زندگی میں ہی آتھم کا فوت ہوجانا تھا پُوری ہوچکی تو کیوں بار بار میعاد کا ذکر کرکے روتے ہو۔ اور کہتے ہو کہ فوت تو ہوا مگر میعاد کے اندر فوت نہیں ہوا۔ یہ کیسا بیہودہ عُذر ہے۔ اے نادانو! اور خدا کی شریعت کے اسرار سے غافلو! جبکہ وعید کی پیشگوئی میں خدا کو یہ بھی اختیار ہے کہ توبہ اور رجوع کرنے سے سرے سے عذاب کو ہی ٹال دیتا ہے تو کیا میعاد کی کمی و بیشی اسپر کوئی اعتراض پیدا کر سکتی ہے۔ سبحان اللہ عمّا یصفون[1]۔ اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی رحمت اور رحیمانہ رعایت کو مخفی رکھنا نہیں چاہتا۔ پس جبکہ آتھم نے پیشگوئی کو سُنکر اُسی وقت سر جُھکا دیا۔ اور زبان نکال کر اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر توبہ اور ندامت کے آثار ظاہر کئے جس کے گواہ ڈاکٹر مارٹن کلارک بھی ہیں اور بہت سے معزز مُسلمان اور عیسائی جن میں سے میرے خیال میں خان محمد یوسف خاں صاحب رئیس امرتسر بھی ہیں۔ جو اُس وقت موجود تھے۔ تو کیا اس رجوع نے کوئی حصہ شرط کا پُورا نہ کیا۔ مَیں

ص۲۲

[1] المومنون: ۹۲

سچ سچ کہتا ہوں کہ اعتراض اس صورت میں ہوتا تھا جبکہ باوجود اس قدر انکسار اور خوف اور تذلّل آتھم کے جو اُس نے ظاہر کیا۔ اور باوجود اس کے کہ وہ مارے غم کے دیوانہ وار ہوگیا اور آئندہ مقابلہ اور مباحثہ سے زبان بند کرلی پھر بھی خدا تعالیٰ اپنی شرط کا کچھ بھی اسکو فائدہ نہ پہنچاتا اور سخت گیری سے میعاد کے اندر ہی اُسکی زندگی کو ختم کردیتا۔ کیا اِس سے خدا کی پاک صفات کی معرفت حاصل نہیں ہوتی کہ اُس نے آتھم کی تضرع اور خوف کا بھی اُسے فائدہ پہنچا دیا اور پھر پیشگوئی کی منشاء کے موافق اُس کے رشتۂ حیات کو بھی توڑ دیا۔ تا ثابت ہو کہ جس قدر آتھم نے انکسار اور خوف ظاہر کیا بظاہر اس کی پاداش یہ تھی کہ کم سے کم دس سال اسکو اور زندگی دیجاتی۔ تا بموجب آیت من یعمل مثقال ذرة خیرًا یرہٗ[1]۔ وہ اپنے دلی خوف کی پوری پاداش کو پالیتا۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اس لئے اس کو جلد ہلاک کر دیا۔ کہ تا پادری لوگ نادان لوگوں کو دھوکہ نہ دیں اور اپنے مذہب کی حقانیت پر اس کی زندگی کو دلیل نہ ٹھہرائیں۔ مَیں تو اُسی وقت ڈر گیا تھا جبکہ عام مجمع میں آتھم نے اپنی زبان منہ سے باہر نکالی اور رونے والی صورت بنا کر دونوں ہاتھ اُٹھائے اور ظاہر کیا کہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرتا ہوں۔ اور اُسی وقت مجھے خیال آیا تھا کہ اب یہ شخص اپنی اِس ندامت کے اقرار سے خدائے رحیم کے آستانہ پر گرا ہے۔ دیکھئے اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کیونکہ مَیں جانتا تھا کہ خدا رحیم ہے۔ اور اُس کی اِسی صفت کی وجہ سے یونس نبی پر ابتلا آیا اور جن کے لئے اُس نے چالیس دن تک ایک مُہلک عذاب کا وعدہ کیا تھا۔ اُن کے دامن کا ایک ذرہ گوشہ بھی چاک نہ ہوا۔ اور یاد رہے کہ حق کے طالبوں کو اِس پیشگوئی اور لیکھرام والی پیشگوئی سے ایک علمی فائدہ بھی حاصل ہوتا ہے اور وہ یہ کہ آتھم کی پیشگوئی بباعث اُس کے ڈرنے اور خوف کھانے کے جمالی رنگ پر ظاہر ہوئی۔

۲۳

[1] الزلزال : ۸

اور لیکھرام کی نسبت جو پیشگوئی تھی وُہ بباعث اس کی شوخی اور بیباکی اور بدزبانی کی جو پیشگوئی کے بعد اور بھی زیادہ ہوگئی تھی جلالی رنگ میں ظاہر ہوئی۔ اور اُس کی زبان کی چھری آخر اُسی پر چل گئی۔

یہ تو آتھم کی نسبت ہم نے بیان کیا اور احمد بیگ کے داماد کی نسبت ہم بار بار بیان کرچکے ہیں کہ اس پیشگوئی کی دو ٹانگیں تھیں۔ ایک احمد بیگ کی موت کے متعلق اور ایک اُس کے داماد کے متعلق۔ سو تم سُن چکے ہو کہ احمد بیگ مُدت ہوئی کہ پیشگوئی کی منشاء کے موافق فوت ہوچکا ہے اور اسکی قبر ہوشیار پور میں موجود ہے۔ رہا اس کا داماد سو پیشگوئی کی شرط کی وجہ سے اسکی موت میں تاخیر ڈالدی گئی اور ہم بیان کرچکے ہیں کہ پیشگوئی شرطی تھی۔ پھر جب احمد بیگ شرط سے لاپروا رہکر مرگیا۔ تو اس کی موت نے اس کے داماد اور دُوسرے اقارب کو یہ موقع دیا کہ وہ ڈریں۔ اور شرط سے فائدہ اُٹھائیں۔ سو ایسا ہی ہُوا۔ اور احمد بیگ اور اُسکے داماد کے متعلق جو شرطی الہام تھا اس کی یہ عبارت تھی۔ ایتھا المراۃ توبی توبی فان البلاء علیٰ عقبک۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ یہ الہام قبل از وقت بمقام ہوشیار پور شیخ مہر علی کے مکان پر بحاضری حافظ محمد یوسف یا منشی محمد یعقوب و نیز بحاضری منشی الٰہی بخش صاحب آپ کی جماعت میں سے ایک شخص کو جس کا نام عبدالرحیم تھا یا عبدالواحد تھا سُنایا گیا تھا اور بعد میں یہ الہام چھپ بھی گیا تھا۔ غرض یہ پیشگوئی شرطی تھی جیسا کہ آتھم کی پیشگوئی شرطی تھی۔ اور اگر وُہ شرطی بھی نہ ہوتی تاہم بوجہ وعید ہونے کے یونس نبی کی پیشگوئی سے مشابہ ہوتی۔ اور خدا کی باتوں کا صبر سے انجام دیکھنا چاہیئے نہ شرارت سے اعتراض۔

اور فرزند موعود کی نسبت جو اعتراض تھا۔ اس سے اگر کچھ ثابت ہوتا ہے تو بس یہی کہ ہمارے مخالفوں کی کچھ ایسی عقل ماری گئی ہے کہ اعتراض کرنے کے

وقت اُنکو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اعتراض کا کوئی موقع بھی ہے یا نہیں۔ اے نادان! خدا تعالیٰ نے جیساکہ وعدہ فرمایا تھا مجھے چار لڑکے عطا فرمائے اور ہر ایک لڑکے کی پَیدایش سے پہلے مجھے اپنی خاص وحی کے ذریعہ سے اس کے پَیدا ہونے کی بشارت دی اور وہ ہر چہار بشارتیں ہر چہار اشتہار کے ذریعہ سے قبل از وقت دنیا میں شایع کی گئیں جن کے لاکھوں انسان ان مُلکوں میں گواہ ہیں۔ پھر مَیں سمجھ نہیں سکتا کہ اعتراض کیا ہُوا۔ اعتراض تو تمہاری حالت پر واقع ہوتا ہے کہ مُنہ سے نکالا کہ خدا کے فضل سے میرے لڑکا ہوگا اور اس پیشگوئی کو اشتہار میں شائع کیا اور پھر وہ لڑکا اندر ہی اندر تحلیل پا گیا باہر آنا اُس کو نصیب نہ ہُوا۔ کاش وُہ مُردہ ہی پَیدا ہوتا۔ تا تمہارے ہاتھ میں کچھ تو بات رہ جاتی۔ یہ بھی مباہلہ کا بداثر تم پر پڑا کہ اولاد سے نامراد رہے۔ غرض میرے گھر میں تو اولاد کی بشارت کے بعد چار لڑکے ہُوئے اور ہر ایک لڑکے کی پَیدایش سے پہلے خدا نے خبر دی جس کو مَیں نے ہزارہا لوگوں میں شائع کیا۔ مگر تم بتلاؤ کہ تمہارے گھر میں کیا پَیدا ہُوا۔ تم تو اب تک اِس اعتراض کے نیچے ہو۔ کاش ایک صادق سے مباہلہ نہ کرتے تو شاید اب تک لڑکا ہو جاتا۔ سو آئینہ لیکر اپنا عیب دیکھو۔ میرے پر نکتہ چینی کا کوئی محل نہیں۔ ہاں اگر مَیں نے کوئی ایسا الہام شائع کیا ہے جس کے یہ معنے ہوں کہ اسی الہام کے قریب حمل ہے اور اسی سال میں وُہ لڑکا پَیدا ہوگا تو وہ میرا الہام شائع کر دو۔ مگر خبردار کوئی اس قسم کا اعتراض پیش نہ کرنا جو اس سے پہلے بعض منافقوں نے حُدَیبیہ کے قصّے پر پیش کیا تھا جس سے عمر فاروق کو خدا نے بچایا۔ اور مُنافق ہلاک ہُوئے۔ اَے عزیز کیوں میرے کینہ کے لئے شریعتِ محمدیّہ سے دست بردار ہوتے ہو۔ اس جگہ تو کوئی ہاتھ ڈالنے کی تمہیں جگہ نہیں۔ اور باوصف اس کے یہ مُتفق علیہ عقیدہ ہے کہ کبھی نبی اپنی پیشگوئی کے محل اور

ص۲۵

موقع کے سمجھنے میں غلطی بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ علماء اسپر دلیل حدیث ذھب وھلی کو پیش کرتے ہیں جو بخاری میں موجود ہے۔ اور اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ کسی تاویل کی غلطی سے پیشگوئی غلط نہیں ٹھہر سکتی اور نہ غیر الہامی ٹھہر سکتی ہے۔ پس جب نبیوں کی پیشگوئیوں میں یہاں تک وسعت ہے کہ نبی کے غلط معنے پیشگوئی کو کچھ حرج نہیں پہنچاتے تو پھر اعتراض اُسی صورت میں ہوگا جبکہ الہام کا اسی کے الفاظ سے غلط ہونا ثابت ہو جائے۔

صـــ۲۶ **قوله**۔ مرزا یقیناً جانتا ہے کہ اِس فضول کام کے لئے نہ کسی نے آنا ہے اور نہ یہ کام ہونا ہے مفت کی میری شیخی مشہور ہو جائے گی۔

اقول۔ اے ناسمجھ خُدا سے ڈر۔ کیا دین کے کام کو فضول کام کہتا ہے۔ کیا خدا کے نبی فضول کام میں ہی مشغول رہے۔ اے عزیز! کیا یہ کام فضول ہے جس سے ہزارہا جانیں جھوٹ اور ضلالت سے نجات پاتی ہیں اور اندرونی تفرقہ اس اُمّت کا جس نے مسلمانوں کو کمزور کر دیا ہے دُور ہوتا ہے۔ اگر یہ کام فضول ہے تو کیا دوسرے کام شریعت کے لئے ضروری تھے جو آپ لوگ کر رہے ہیں۔ مثلاً نذیر حسین دہلوی باوجود پیرانہ سالی کے شیخ محمد حسین بٹالوی کے لڑکے کی شادی پر بٹالہ آیا اور سیالکوٹ کے ضلع تک گیا۔ بجز کھانے پینے کے اور کیا غرض تھی۔ اِس زمانہ میں مسلمانوں کی حالت اِسی وجہ سے انحطاط میں ہے کہ حال کے مولوی ضروری کاموں کا نام فضول کام رکھتے ہیں اور اپنے نفسانی تجارتوں کے لئے عدن اور مسقط تک سیر کر آتے ہیں اور اسکو کوئی فضول نہیں سمجھتا۔ مگر تائیدِ اسلام کے کاموں کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اور یوں گوشت پلاؤ کھانے اور شادیوں کی دعوتوں میں شامل ہونے کے لئے صدہا کوس چلے جاتے ہیں۔ یہ خوب دینداری ہے کہ یُوں تو ملک میں شور مچا رہے ہیں کہ گویا اِس جماعت میں داخل ہو کر تیس ہزار آدمی کافر ہو گیا اور ہوتا جاتا ہے۔ اور جب

کہا جائے کہ آؤ فیصلہ کرو۔ تو جواب ملتا ہے کہ اس فضول کام کے لئے علماء کو فرصت کہاں ہے۔ اور کرایہ کے لئے خرچ کہاں۔ ہم اس وقت ایسے علماء کو خدا کی حجت پوری کرنے کے لئے کرایہ کی مدد دینے کو بھی حسب شرائط مذکورہ بالا طیار ہیں۔ کاش کسی طرح اُن کے دِل سیدھے ہوں۔ اسلام سب مذہبوں پر غالب ہوتا ہے۔ یہ کیسا اسلام ان کے ہاتھ میں ہے جو انکو تسلّی نہیں دے سکتا۔ غرض اب ہم نے ان کا یہ عُذر بھی توڑ دیا۔

قولہ۔ اے نئے عیسائیو اور نیا گرجا بنانے والو۔ ہم ایک سہل اور نہایت آسان طریق بتلاتے ہیں۔

ص۲۷

اقول۔ اے حد سے بڑھنے والے کیا اُن مسلمانوں کا نام عیسائی رکھتا ہے جو اسلام کے حامی اور زمین پر حجت اللہ ہیں۔ اگر مسلمان تیرے جیسے ہی ہوتے تو اسلام کا خاتمہ تھا۔ پھر اسکے بعد آپ نے تمسخر اور ٹھٹھے سے مولوی عبدالکریم صاحب کا ذکر کیا ہے اور نشان یہ مانگا ہے کہ مولوی صاحب موصوف کو جو ایک ٹانگ میں کچھ کمزوری ہے اور ایک آنکھ کی بصارت میں خلل ہے یہ دونوں عارضے جاتے رہیں۔ اور اس ذکر سے اصل غرض آپ کی صرف ٹھٹھا اور ہنسی ہے اور یہ مقولہ محض اُن کافروں کی طرح ہے جو نعوذ باللہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو ابتر کہتے تھے اور یہ نشان مانگتے تھے کہ اگر سچا نبی ہے تو اس کے لڑکے جس قدر مر گئے ہیں اُنکو زندہ کر دے۔ مگر ہم اِس ٹھٹھے کا ابھی جواب دے چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ انسان بوجہ اپنی انسانیت کے کسی نہ کسی نقص سے خالی نہیں ہوتا اور ہمیشہ امراض آفات بھی لاحق رہتے ہیں۔ عزیز و اقارب بھی مرتے ہیں۔ لیکن کوئی شریف نشان مانگنے کے بہانہ سے اِس طرح پر دل نہیں دُکھاتا۔ یہ قدیم سے رذیلوں اور سفیہوں کا کام ہے۔ اور ہمارے مُلک میں اِس قسم کا ٹھٹھا

ہنسی اکثر مراسی کیا کرتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں کہ میاں عبد الحق نے کیوں یہ طریق اختیار کیا ہے۔ بھلا اگر ابھی کوئی میاں عبد اللہ غزنوی پر چند ایسے اعتراض کردے کہ اگر وہ ملہم تھا تو اُس کو چاہیئے تھا کہ اپنے فلاں فلاں ذاتی نقص دُور کرتا اور لوگوں کو یہ نشان دکھلاتا تو مجھے معلوم نہیں کہ غزنوی صاحبان کیا جواب دینگے۔ اے عزیز اگر تم دوسرے کو اِس طرح پر دُکھ دوگے تو وہ تمہارے باپ اور تمہارے مُرشد تک پہنچے گا۔ پس اِن فتنہ انگیز باتوں سے فائدہ کیا ہوا۔ بلکہ خدا کے نزدیک اپنے باپ اور اپنے مُرشد کی تحقیر کرنے والے تم خود ٹھہروگے۔ اور اگر خدا کی قضا و قدر سے خود تمہاری دونوں آنکھوں پر نزول الماء نازل ہو جائے یا ٹانگوں پر فالج پڑے تو یہ ساری ہنسی یاد آجائے۔ اے غافلو! دُوسروں پر کیوں عیب لگاتے ہو۔ کیا ممکن نہیں کہ خود تم کسی وقت ایسے بدنی نقص میں مبتلا ہو جاؤ کہ لوگ تم پر ہنسیں یا تمہارے چھونے سے پرہیز کریں۔ خدا سے ڈرو اور کفار کا شعار اختیار نہ کرو۔ یاد رکھو کہ تمام نبیوں نے اُن لوگوں کو ملعون ٹھہرایا ہے جو نبیوں اور ماموروں سے اقتراحی نشان مانگتے ہیں۔ دیکھو حضرت عیسٰی علیہ السلام نے کیا فرمایا کہ اِس زمانہ کے حرامکار مجھ سے نشان مانگتے ہیں انھیں کوئی نشان دِکھلایا نہیں جائے گا۔ ایسا ہی قرآن نے ان لوگوں کا نام ملعون رکھا۔ جو لوگ حضرت سیّدنا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تجویز سے نشان مانگا کرتے تھے جن کا بار بار لعنت کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر ہے جیسا کہ وُہ لوگ کہتے تھے فلیاتنا باٰیۃ کما اُرسل الاوّلون[1] یعنے ہمیں حضرت موسٰی کے نشان دکھلائے جائیں یا حضرت مسیح کے۔ اور کبھی آسمان پر چڑھ جانے کی درخواست کرتے تھے۔ اور کبھی یہ نشان مانگتے تھے کہ سونے کا گھر آپ کے لئے بنجائے اور ہمیشہ انھیں نفی میں جواب ملتا تھا۔ تمام قرآن شریف کو

ص۲۸

[1] الانبیاء : ۶

اوّل سے آخر تک دیکھو۔ کہیں اِس بات کا نام و نشان نہ پاؤ گے کہ کسی کافر نے اپنی طرف سے یہ نشان مانگا ہو کہ کسی کی ٹانگ درست کر دو یا آنکھ درست کر دو یا مُردہ زِندہ کر دو۔ تو آنحضرت نے وُہی کام کر دیا ہو۔ اَور نہ انجیل میں اس کی کوئی نظیر ملے گی کہ کُفّار نشان مانگنے آئے اَور اُنھیں دکھا یا گیا۔ بلکہ ایک دفعہ خود صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی۔ کہ فلاں شخص جسکی نئی شادی ہوئی تھی اور سانپ کے کاٹنے سے مرگیا تھا اُس کو زندہ کر دو تو آپ نے فرمایا کہ جاؤ اپنے بھائی کو دفن کرو۔ غرض قرآن شریف اس بات سے بھرا پڑا ہے کہ مکّہ کے پلید اور حرامکار کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے طرح طرح کے نشان مانگا کرتے تھے۔ اور ہمیشہ اس سوال کی منظوری سے محروم رہتے اور خدا تعالیٰ سے لعنتیں سُنتے تھے۔ ایسا ہی تمام انجیل پڑھ کر دیکھ لو۔ کہ اقتراحی نشان مانگنے والے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے گالیاں سُنا کرتے تھے۔ سو اے عزیز! کچھ خدا کا خوف کرو۔ عمر کا اعتبار نہیں۔ خدا تعالیٰ میرے ہاتھ پر نشان ظاہر کرتا ہے مگر اُس سُنّت کے موافق جو قدیم سے اپنے مامورین سے رکھتا ہے۔ اور بلاشبہ اس سُنّت کے التزام سے ایک شخص اگر شیطان بنکر بھی آوے۔ تب بھی اُس کو الٰہی نشانوں سے قائل کر دیا جائیگا۔ لیکن اگر خدا کی سنت قدیمہ کے مخالف دیکھنا چاہے تو اس کا اُس نعمت سے کچھ حصّہ نہیں اور بالیقین وُہ ایسا ہی محروم مَرے گا جیساکہ بوجہل وغیرہ محروم مُر گئے۔ اے عزیز آپ کا اختیار ہے کہ اُس طرح پر جو خدا نے مجھے مامور کیا ہے۔ ایک جماعت لنگڑوں۔ لولوں۔ اندھوں اور کانوں اور دوسرے بیماروں کی لے آؤ۔ اور پھر اُن میں سے قرعہ اندازی کے طریق پر جس جماعت کو خدا میرے حوالہ کریگا۔ اگر اُن میں مَیں مغلوب رہا تو جس قدر تم نے اپنے اشتہار میں گالیاں دی ہیں اُن سب کا میں مستحق ہوں گا۔ ورنہ وُہ تمام گالیاں تمہاری طرف رجوع

ص۲۹

کریں گی۔ دیکھو اِس طریق سے بھی وُہی تمہارا مطلب حاصل ہے۔ پھر اگر دِل میں
مادہ فساد نہیں تو ایسا اُلٹا طریق کیوں اختیار کرتے ہو جس طریق کے اختیار کرنے والے
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان پر حرامکار کہلائے اور آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم
کی زبان پر جہنمی اور لعنتی کہلائے۔ اگر تمہارے دِل میں ایک ذرہ ایمان ہے۔ تو یہ
طریق جو خدا تعالیٰ کی طرف سے مَیں پیش کرتا ہوں اِس میں حرج کیا ہے۔ کیا تم گالیوں
اور دہریہ کہنے سے فتح پا جاؤ گے۔ یقیناً اُسی گروہ کی فتح ہے جو دہریہ نہیں ہیں۔
اور خدا تعالیٰ پر سچا ایمان رکھتے ہیں اور ہنسی ٹھٹھے سے پرہیز کرتے ہیں۔ اور
گذشتہ کافروں کی طرح اپنے اقتراح سے نشان نہیں مانگتے بلکہ خدا کے پیش کردہ
نشانوں میں غور کرتے ہیں۔ اے موت سے غافل امانت اور دیانت کے طریق
سے کیوں باہر جاتا ہے اور ایسی باتیں کیوں زبان پر لاتا ہے جن میں تیرا دِل ہی تجھے
ملزم کر رہا ہے کہ تُو جھوٹ بولتا ہے۔ سچ کہہ کیا اب تک تجھے خبر نہیں کہ خدا کو محکوم
بنا کر کوئی بات امتحان کے طور پر اس سے مانگنا یہ طریق صلحاء کا نہیں ہے۔ بلکہ
خدا کی کلام میں اِس طریق کو ایک معصیت اور ترکِ ادب قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کو
غور سے پڑھ اور پھر سوچ کہ جو لوگ اقتراحی نشان مانگتے تھے یعنے اپنے اپنے
خود تراشیدہ نشانوں کو طلب کرتے تھے انکو قرآن میں کیا جواب ملتا تھا۔ اور وہ
اللہ تعالیٰ کی نظر میں موردِ غضب تھے یا موردِ رحم تھے۔ اور اگر کچھ حیا اور شرم اور
شوقِ تحقیقِ حق ہے۔ اور اگر اپنے دعوے میں سچے ہو تو اپنے اُن علماء سے جو
دین سے کچھ خبر رکھتے ہیں یہ فتویٰ لو کہ کیا خدا پر یہ حق واجب ہے کہ جب اسکے
کسی نبی یا محدث یا رسول سے کوئی فرقہ کفّار اور بے ایمانوں کا خود تراشیدہ
نشان مانگے تو وہ نشان اس کو دکھلاوے۔ اور اگر نہ دکھلاوے تو وُہ نبی
جس سے ایسا نشان طلب کیا جائے جھوٹا ٹھہرے گا۔ پس اگر یہ فتویٰ

ص۳۰

تجھے علماء سے مل گیا۔ تو مَیں وعدہ کرتا ہوں کہ پھر تجھے تیرا پیش کردہ نشان دکھلادونگا اور اگر نہ ملا تو تیرے جھوٹ کی یہ سزا تجھے کافی ہے کہ تیری ہی قوم کے نامی علماء نے تیری تکذیب کی۔ اور ہماری طرف سے یہ پیشگوئی یاد رکھو کہ نامی علماء جیسے نذیرحسین دہلوی اور رشید احمد گنگوہی ہرگز تجھے یہ فتویٰ نہیں دیں گے اگرچہ تُو ان کے سامنے روتا روتا مَر بھی جائے۔ اور ناظرین کو چاہیئے۔ کہ اِس شخص کا جو خدا کی شریعت میں تحریف اور تلبیس کرتا ہے پیچھا نہ چھوڑیں جب تک ایسا فتویٰ علماء کا پیش نہ کرے۔ کیونکہ وُہ طریق جو نشان مانگنے میں اُس نے اختیار کیا ہے وُہ خدا سے ہنسی اور ٹھٹھا ہے۔ یاد رہے کہ سب سے پہلے دُنیا میں شیطان نے حضرت عیسٰی سے بیت المقدس میں نشان مانگا تھا اور کہا تھا کہ اپنے تئیں اس عمارت سے نیچے گرادے۔ اگر زندہ بچ رہا تو مَیں تجھ پر ایمان لاؤنگا۔ مگر حضرت مسیح نے فرمایا کہ دُور ہو اے شیطان کیونکہ لکھا ہے کہ خدا کا امتحان نہ کر۔ اس جگہ ایک پادری صاحب انجیل کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ درحقیقت وُہ انسان ہی تھا جس نے حضرت مسیح سے اقتراحی نشان مانگا تھا اور حضرت مسیح نے خود اُس کا نام شیطان رکھا۔ کیونکہ اُس نے خدا کو اپنی مرضی کا محکوم بنانا چاہا۔ پس انجیل کے اِس قصے کی رُو سے میاں عبدالحق کے لئے بھی بڑی خوف کی جگہ ہے۔ جب انسان امانت سے بات نہیں کرتا۔ تو اُس وقت شیطان کا محکوم ہوتا ہے گویا خود وُہی ہوتا ہے۔ چنانچہ آیت من الجنّة والنّاس اِس کی شاہد ہے۔

قولہ۔ مرزا اور مرزائیوں کو قیامت اور حساب اور جنّت اور دوزخ پر ایمان نہیں دہریہ مذہب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ جس کو قیامت پر ایمان ہوتا ہے وُہ ایسا آزاد دھوکہ باز مفتری علی اللہ وعلی الرسول وعلی الناس نہیں ہوتا۔

اقول - مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ یہ سب صفات آپ لوگوں میں ہیں - بلکہ آپ لوگ دہریوں سے بدتر ہیں - کیونکہ دہریہ تو خدا تعالیٰ کی ہستی پر اپنے زعمِ باطل میں دلیل نہیں پاتا۔ مگر آپ لوگ ایمان کا دعویٰ کر کے بھی پھر قابلِ نفرت جھوٹ بول رہے ہیں - کیونکہ آپ لوگ جب یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے تھے تو اس وقت آپ لوگ صریح خدا اور اُس کے رسول پر افترا کرتے ہیں - اور اگر افترا نہیں کرتے تو تمہیں خدا کی قسم ہے کہ بتلاؤ کہ قرآن شریف میں کہاں لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت نہیں ہوئے۔ افسوس کہ قرآن شریف میں فلمّا توفّیتنی کی آیت پڑھتے ہو - اور خوب جانتے ہو کہ سارے قرآن شریف میں ہر جگہ توفّی بمعنی قبض رُوح ہے - اور ایسا ہی یقین رکھتے ہو کہ تمام حدیثوں میں بھی توفّی بمعنی قبض رُوح ہے اور پھر افترا کے طور پر کہتے ہو کہ اِس جگہ پر توفّی بمعنی زندہ اُٹھا لینے کے ہیں پس اگر تم اِس جگہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم پر افترا نہیں کرتے تو بتلاؤ اور پیش کرو کہ کس حدیث میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے تھے - ہائے افسوس اسقدر جھُوٹ اور افترا - اے لوگو! کیا تم نے مَرنا نہیں - کیا کبھی بھی قبر کا مُنہ نہیں دیکھو گے۔ ؎

از افتراء و کذبِ شما خوں شدست دل ٭ داند خدا کہ زیں غمِ دیں چُوں شدست دل
ہیچم عیاں نشد کہ شمارا بکینہ ام ٭ زینساں چرا دلیر و دِگرگوں شدست دل

پھر جبکہ حدیث نبوی سے یہ ثابت نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مع جسم خاکی آسمان پر چلے گئے تھے یا جسمِ خاکی کے ساتھ آسمان پر سے اُترنے والے ہیں - اور قرآن اُنکو اُن لوگوں میں داخل کرتا ہے جو توفّی کے حکم کے نیچے ہیں اور معراج کی حدیث اِس بات کی تائید کرتی ہے - کیونکہ آنحضرت نے معراج کی رات میں حضرت عیسیٰ کو

۳۲

وفات یافتہ رُوحوں میں دیکھا ہے اور ایک سو پچیس برس کی عمر جو حدیثوں میں بیان کی گئی ہے وہ صاف کہتی ہے کہ حضرت عیسیٰ اِس قدر زمانہ گذرنے کے بعد ضرور فوت ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی وہ حدیث کنز العمال کی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صلیب کے بعد حضرت عیسیٰ دُوسرے ملک میں چلے گئے اسکی مؤید ہے۔ تو پھر یہ کس قدر خدا اور اُس کے رسول پر افترا ہے کہ آپ لوگ ابتک اِس جھوٹے عقیدہ سے باز نہیں آتے۔ اگر دُنیا میں وُہی مسیحؑ دوبارہ آنے والا ہوتا تو خدا تعالیٰ اس کو وفات یافتہ نہ کہتا اور حدیث میں کسی جگہ اس بات کی صراحت ہوتی کہ حضرت عیسیٰ زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے ہیں اور کسی وقت زندہ مع جسم عنصری اُتریں گے۔ مگر اب تو تمام حدیثیں دیکھ لی گئیں اِس بات کا پتہ نہیں ملتا کہ کسی وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے تھے اور پھر زندہ مع جسم آسمان پر سے اُتریں گے۔ اور اُترنے والے کی صفت میں یہ تو لکھا ہے کہ امامکم منکم مگر یہ نہیں لکھا کہ امامکم من انبیاء بنی اسرائیل۔ اب سوچو کہ افترا کی لعنت کس پر قرآن اور حدیث دونوں کرتے ہیں ہم پر یا تم پر۔ اگر ہمارے اِس ثبوت کا کچھ جواب ہے تو پیش کرو۔ ورنہ تم بلاشبہ خدا کے نزدیک مُفتری ہو۔ اور پھر اسی پر بس نہیں۔ بات بات میں تمہارے افترا ظاہر ہیں اور تمہاری زبانیں جھوٹ سے پلید ہیں۔ بھلا بتلاؤ کہ مباہلہ کے بارے میں جو میرے ساتھ تم نے کیا تھا کس قدر بار بار تم نے جھوٹ بولا اور کہا کہ مباہلہ میں مجھ کو فتح ہوئی۔ اے سچائی کے دشمن اور حیا کے ترک کرنے والے سوچ اور سمجھ کہ خدا نے تو اُسی وقت اُسی مقام میں منشی محمد یعقوب کی گواہی سے تجھے ذلیل کیا۔ کیا یہی تیری فتح تھی کہ تیرے ہی اُستاد عبد اللہ غزنوی نے میری سچائی کی گواہی دیدی۔ اب اگر میں مفتری ہوں اور قیامت اور حساب اور دوزخ پر مجھے ایمان نہیں تو تجھے ساتھ ہی ماننا پڑیگا کہ عبد اللہ غزنوی

صـ۳۳

تیرا اُستاد مجھ سے بڑھ کر مفتری تھا۔ اور قیامت اور حساب اور دوزخ اور بہشت پر ایمان نہیں رکھتا تھا۔ کیونکہ بقول تمہارے اُس نے ایک ایسے آدمی کو سچا اور منجانب اللہ قرار دیا جو خدا پر افترا کرتا تھا۔ اے نادان یہ تمام تیری گالیاں تیری طرف ہی عود کرتی ہیں جب تک تو یہ ثابت نہ کرے کہ جو کچھ تیرے استاد عبداللہ نے گواہی دی وہ صحیح نہیں ہے۔ اے ظالم تو کیوں استاد کا عاق بنتا ہے۔ تجھے تو چاہیئے تھا کہ سب سے پہلے تو ہی مجھے قبول کرتا۔ کیونکہ تونے اپنے اس اشتہار میں بھی اپنے نام کے ساتھ یہ لفظ لکھے ہیں۔ "عبدالحق غزنوی تلمیذ حضرت مولانا مولوی عبداللہ صاحب غزنوی"۔ اے بے ادب تُونے اپنے اُستاد کو یہی صلہ دینا تھا کہ جس شخص کو وہ راستباز کہتا ہے۔ تُونے اُس کو کذّاب قرار دیا۔ اور جبکہ تیری اِس مخالفت کے رُو سے عبداللہ غزنوی مفتری ٹھہرا۔ اور اُس نے ناحق دروغ کے طور پر مجھے مَظہرِانوارِ الٰہی ٹھہرایا۔ تو اب تجھے تو شرم سے مَر جانا چاہیئے کہ تُو اُسی مُفتری کا شاگرد ہے۔ مَیں نہیں کہتا کہ مولوی عبداللہ غزنوی مُفتری تھا۔ اور نہ مَیں اِس کا نام کذاب اور دھوکہ باز رکھتا ہوں۔ لیکن تُونے بلاشبہ اس کو مُفتری بنا دیا۔ خدا تجھ کو اس کی مکافات دے کہ ایسے عبد صالح کو تُونے عبد طالح قرار دیا۔ کیونکہ جس حالت میں وُہ مجھے صادق اور خدا تعالیٰ کی طرف سے سمجھتا ہے۔ اور مَیں بقول تیرے مُفتری اور کذّاب اور دجّال ہوں۔ تو یہی نام عبداللہ کو بھی تیری طرف سے تحفہ پہنچا۔ مگر تیرے پر کوئی کیا افسوس کرے۔ کیونکہ عبداللہ تو عبداللہ تُونے تو اُس کے مُرشد کو بھی مُفتری ٹھہرایا۔ کیونکہ میاں صاحب کوٹھہ والے جو مولوی عبداللہ صاحب کے مُرشد تھے قریب مَوت کے وصیت کر گئے تھے کہ پنجاب میں

۳۴

مہدی عنقریب ظاہر ہونے والا ہے بلکہ پیدا ہو چکا اور اب ہم اُس کے زمانہ میں ہیں*۔ وُہ لوگ ابتک زندہ موجود ہیں جن کو یہ کشف سُنایا گیا تھا۔ مگر اے ناحق شناس تُو نے مُرشد کے مُرشد کا بھی ادب نگہ نہ رکھا۔ پس آفرین تیرے پر کہ تُو نے اپنے مُرشد اور مُرشد کے مُرشد سے خوب نیکی کی۔ اور اُن کا نام مُفتری اور کذاب رکھا۔ اگر مولوی عبداللہ صاحب کی اولاد اپنے باپ کی کچھ عزت کرتے ہیں تو چاہیئے۔ کہ ایسے آدمی کو فی الفور اپنی جماعت میں سے نکالدیں۔ کیونکہ جو اُستاد اور مُرشد کا مخالف ہو۔ اُس کے وجود میں خیر نہیں۔ اے بے ادب کیا تُو ایسے بزرگ کی بے ادبی کرتا ہے جس کی شاگردی کا تُو خود قائل ہے۔ اور اگر تُو یہ جواب دے کہ منشی محمد یعقوب صرف ایک گواہ ہے۔ تو یہ دُوسری بشارت بھی سُن لے کہ چونکہ ضرور تھا کہ مُباہلہ کے بعد ہر طرح سے خدا تجھے ذلیل کرے اور تیری رُسوائی دُنیا پر ظاہر ہو۔ اِس لئے اُسی دن جبکہ ہم مُباہلہ سے فراغت پاچکے یا شاید دُوسرے دن بوقت شام حافظ محمد یوسف داروغہ انہار نے جن کی بزرگی کے تم سب لوگ قائل ہو۔ مجھ سے ملاقات کی اور ایک بڑی جماعت میں جو سَو کے قریب آدمی تھا۔ گواہی دی کہ مولوی عبداللہ صاحب نے ایک کشف اپنا مجھے سُنایا ہے کہ ایک نُور آسمان سے گِرا اور وُہ قادیان پر نازل ہُوا۔ اور میری اولاد اس سے محروم رہ گئی یعنے وُہ لوگ اس کو قبول نہیں کریں گے اور مخالف

۳۵

* اگرچہ میاں صاحب موصوف کے مُنہ سے صرف مہدی کا لفظ نکلا تھا کہ وُہ پیدا ہو گیا اور زبان اُنکی پنجابی ہے مگر سامعین نے قرائن قویّہ کے لحاظ سے یہی سمجھا تھا کہ مہدی معہود اُنکی مُراد ہے کیونکہ اِس وقت اُسی کی انتظار ہے اور عام محاورہ لوگوں کا یہی ہے کہ جب مثلاً کوئی کہتا ہے کہ مہدی کب ظاہر ہوگا۔ تو اُس کا مقصود مہدی معہود ہی ہوتا ہے اور مخاطب یہی سمجھتا ہے۔ منہ

ہو جائیں گے۔ اور اس فیض سے بے نصیب رہ جائیں گے*۔ حافظ محمد یوسف صاحب اب تک زندہ ہیں۔ ایک مجلس مقرر کرو اور مجھے اس میں بلاؤ۔ اور پھر ان دونوں بزرگوں کو خدا کی قسم دیکر پوچھو کہ یہ دونوں واقعات انہوں نے بیان کئے ہیں یا نہیں۔ اور یہ لوگ تمہاری جماعت میں سے ہیں اور نیز مولوی عبداللہ کے مربی اور محسن بھی۔ اب بتلاؤ کہ کیسی تمہاری جان شکنجہ میں آگئی اور کس طرح صفائی سے ثابت ہوگیا کہ تم ہی مفتری ہو۔ خدا اپنی مخلوق کو تمہارے افتراؤں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

قولہ۔ مرزا کی کتابیں اس قسم کے جھوٹ اور افتراؤں سے بھری ہوئی ہیں کہ کوئی مومن باللہ ایسی دلیری نہیں کر سکتا۔

اقول۔ اس تقریر کا دوسرے لفظوں میں مآل یہ ہے کہ عبداللہ غزنوی نے ایسے مفتری کا نام صادق اور منجانب اللہ رکھکر ایک ایسے جھوٹ اور افترا

* معلوم ہوتا ہے کہ یہ کشف اُس زمانہ کا ہے جبکہ یہ راقم اپنی عمر کے ابتدائی زمانہ میں مولوی عبداللہ صاحب کو بمقام خیروی جاکر ملا تھا اور تفاول نکالا تھا کہ مجھے خیر اور بہتری ملی۔ تب عبداللہ صاحب کو اپنی نسبت دعا کے لئے کہا تو انہوں نے دوپہر کے وقت شدت گرمی میں گھر میں جاکر میری نسبت دعا کی اور میری نسبت اپنا ایک الہام سنایا اور وہ یہ کہ انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین اور بوقت ظہر گھر سے واپس آکر تبسم کے ساتھ مجھے کہا کہ خدا کی مجھ سے یہ عادت نہ تھی جو تمہارے معاملہ میں ظہور میں آئی اور اپنی فارسی زبان میں فرمایا کہ اس الہام سے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ صحابہ کے رنگ پر تمہارے شامل حال نصرت الٰہی رہیگی۔ اور پھر میں قادیاں میں آیا تو ایک خط ڈاک میں بھیجا جس میں مکرر الہی الہام تھا اور شاید بعض اور فقرے بھی تھے۔ پس معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب ممدوح نے اسی تقریب اور تحریک سے قادیاں پر نور نازل ہوتا دیکھا۔ اچھا آدمی تھا خدا اُسپر رحمت نازل کرے۔ آمین۔ منہ

سے کام لیا ہے۔ کوئی مومن باللہ ایسی دلیری نہیں کرسکتا۔ اب سچ کہہ اے میاں عبدالحق کیا کوئی مومن باللہ ایسی دلیری کرسکتا ہے جو میاں عبداللہ نے کی۔ کہ مفتری کا نام صادق اور آسمانی نور رکھا۔ خدا تعالیٰ تو مفتریوں پر لعنت بھیجتا ہے۔ پس جس شخص نے ایسا جھوٹا الہام اور کشف بنایا کہ یہ بیان کیا کہ مرزا غلام احمد قادیانی پر خدا تعالیٰ کا نور نازل ہوا۔ اور میری اولاد اُس سے بے نصیب رہ گئی۔ اُس کی نسبت آپ لوگوں کا کیا فتویٰ ہے۔ ضرور یہ فتویٰ شایع کرنا چاہیئے۔ ومن اظلم ممن افترٰی علی اللّٰہ کذبا[1]۔ آپ تو یہ رونا روتے تھے کہ نعوذ باللہ مَیں نے جھوٹ بولا ہے۔ اب آپ کے اقرار سے یہ ثابت ہوا کہ عبداللہ غزنوی کئی مرتبہ خدا پر جھوٹ بولکر اور حضرت احدیت پر افترا کر کے اِس دُنیا سے گذر گیا ہے اور جو خدا پر افترا کرے اُس سے بدتر کون ہوسکتا ہے ؎

مرا خواندی و خود بدام آمدی ؛ نظر پختہ تر کن کہ خام آمدی

قولہ۔ تین صریح جھوٹ ثابت کرتا ہوں جو کسی ایماندار بلکہ ذرہ شرم و حیا والے آدمی کا کام نہیں۔

اقول۔ اے شرم اور حیا سے دُور اِس تیرے قول سے بھی مَیں کچھ رنج نہیں کرتا۔ کیونکہ پہلے بے ایمانوں کے طریق اور عادت کو تُو نے پُورا کیا۔ ہر ایک نبی اور خدا کا مامور اور صادق اور صدیق جو دُنیا میں آیا۔ اُس کو بدبخت کفار نے جھوٹا کہا بلکہ کذّاب نام رکھا۔ اور تُو نے ساری جانکاہی سے تین مقام پیش کئے جن میں تیرے زعم باطل میں مَیں نے جھوٹ بولا ہے اور وُہ تین مقام یہ ہیں جن کا جواب دیتا ہوں۔

قولہ۔ اوّل جھوٹ یہ ہے کہ صفحہ پانچ سطر ۲۰ و ۲۱ میں لکھا ہے۔ کیونکہ قرآن شریف میں حضرت مسیح کی نسبت لما توفّیتنی فرمانا اور حدیثوں میں

[1] الانعام: ۹۴

جیساکہ بخاری میں ہے۔ اس کے معنے امتنی بیان کرنا۔

اقول۔ اس نادان معترض کی اس پوچ اور لچر عبارت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ صحیح بخاری میں اس جگہ آیت یا عیسیٰ انی متوفیک کی تفسیر میں یہ قول ہے کہ متوفیک ممیتک یہ قول نہیں کہ لما توفیتنی امتنی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس جگہ میری کلام کا اصل مقصود احادیث کا خلاصہ مطلب بیان کرنا ہے نہ یہ کہ کسی حدیث کے ٹھیک ٹھیک لفظ لکھنا جیساکہ میرے اس فقرہ کے ذکر کرنے سے کہ

اور حدیثوں میں یعنی بخاری وغیرہ میں۔ یہ میرا مدعا سمجھا جاتا ہے اور منصف کو میرے کلام پر غور کرنے سے شک نہیں رہیگا کہ میرا مُدعا اس جگہ صرف احادیث کا خلاصہ اور مآل اقوال لکھنا ہے نہ نقل عبارت۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص مثلاً بیس ایسی حدیثوں کے معنے بیان کرنے لگتا ہے جو مختلف الفاظ میں آئی ہیں اور مآل واحد ہے تو اُس کو اُن احادیث کا حاصل مطلب لکھنا پڑتا ہے تا وُہ لفظ سب پر منطبق ہو۔ اور نیز اصل مقصود کا مفسر ہو جائے۔ اسی طرح اصل مقصود بخاری وغیرہ کا امتنی ہے جو ذکر کے قابل تھا۔ اور اگرچہ خاص بخاری کا لفظ متوفیک ممیتک ہے مگر میرے بیان میں صرف بخاری کے الفاظ پر حصر نہیں رکھا گیا۔ عموماً احادیث کی بحث ہے۔ بخاری ہو یا غیر بخاری۔ اور پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ خود بخاری نے اسی مقام میں اس آیت یعنے فلما توفیتنی کو بغرض تظاہر آیتیں ذکر کرکے جتلادیا ہے کہ یہی تفسیر فلما توفیتنی کی ہے۔ اور وُہی استدلال قول ابن عباس کا اسجگہ صحیح ہے۔ جیساکہ انی متوفیک میں صحیح ہے۔ اور نیز اس جگہ یہ یاد رہے کہ خدا تعالےٰ جو اصدق الصادقین ہے اُس نے اپنی کلام میں صدق کو دو قسم قرار دیا ہے۔ ایک صدق باعتبار ظاہر الاقوال۔ دُوسرے صدق باعتبار التاویل والمآل۔ پہلی قسم صدق کی مثال یہ ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ عیسیٰ مریم کا بیٹا تھا۔ اور

ابراہیم کے دو بیٹے تھے اسمٰعیل و اسحاق۔ کیونکہ ظاہر واقعات بغیر تاویل کے یہی ہیں۔ دُوسری قسم صدق کی مثال یہ ہے کہ جیسے قرآن شریف میں کفّار یا گذشتہ مومنوں کے کلمات کچھ تصرف کرکے بیان فرمائے گئے ہیں اور پھر کہا گیا کہ یہ اُنہی کے کلمات ہیں۔ اور یا جو قصّے توریت کے ذکر کئے گئے ہیں اور اُن میں بہت سا تصرف ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ جس اعجازی طرز اور طریق اور فصیح فقروں اور دلچسپ استعارات میں قرآنی عبارات ہیں اِس قسم کے فصیح فقرے کافروں کے مُنہ سے ہرگز نہیں نکلے تھے اور نہ یہ ترتیب تھی۔ بلکہ یہ ترتیب قصّوں کی جو قرآن میں ہے توریت میں بھی بالالتزام ہرگز نہیں ہے۔ حالانکہ فرمایا ہے ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسٰی[1]۔ اور اگر یہ کلمات اپنی صُورت اور ترتیب اور صیغوں کے رُو سے وُہی ہیں جو مثلاً کافروں کے مُنہ سے نکلے تھے تو اِس سے اعجاز قرآنی باطل ہوتا ہے۔ کیونکہ اس صُورت میں وُہ فصاحت کفّار کی ہُوئی نہ قرآن کی۔ اور اگر وُہی نہیں تو بقول تمہارے کذب لازم آتا ہے۔ کیونکہ اُن لوگوں نے تو اور اور لفظ اور اور ترتیب اور اور صیغے اختیار کئے تھے۔ اور جس طرح متوفّیك اور توفّیتنی دو مختلف صیغے ہیں۔ اِسی طرح صدہا جگہ ان کے صیغے اور قرآنی صیغے باہم اختلاف رکھتے تھے مثلاً توریت میں ایک قصّۂ یوسف ہے نکال کر دیکھ لو۔ اور پھر قرآن شریف کی سورۂ یوسف سے اس کا مقابلہ کرو تو دیکھو کہ کس قدر صیغوں میں اختلاف اور بیان میں کمی بیشی ہے بلکہ بعض جگہ بظاہر معنوں میں بھی اختلاف ہے۔ ایسا ہی قرآن نے بیان کیا ہے۔ کہ ابراہیم کا باپ آزر تھا۔ لیکن اکثر مفسّر لکھتے ہیں کہ اس کا باپ کوئی اور تھا نہ آزر۔ اب اے نادان جلد توبہ کر کہ تُونے پادریوں کی طرح قرآن پر بھی حملہ کردیا۔ صحیح بخاری کی پہلی حدیث ہے کہ انما الاعمال بالنیات

ص ۳۸

[1] الاعلیٰ: ۱۹-۲۰

اسی طرح جب ہم نے دیکھا کہ اس محل میں تمام احادیث کا مقصود مشترک یہ ہے کہ توفّیتنی کے معنے ہیں امتّنی تو بصحت نیّت اس کا ذکر کردیا۔ اس طرز کے بیان کو جھُوٹ سے کیا مناسبت۔ اور جھُوٹ کو اس سے کیا نسبت۔ کیا یہ سچ نہیں کہ امام بخاری کا مُدعا اس فقرہ متوفّیك ممیتك سے یہ ثابت کرنا ہے کہ لما توفیتنی کے معنے ہیں امتّنی۔ اور اسی لئے وہ دو مختلف محل کی دو آیتیں ایک جگہ ذکر کر کے اور ایک دوسرے کو بطور تظاہر قوّت دیکر دکھلاتا ہے۔ کہ ابن عباس کا یہ منشاء تھا کہ لما توفّیتنی کے معنے ہیں امتّنی۔ اسلئے ہم نے بھی بطور تاویل اور مآل کے یہ کہدیا کہ حدیثوں کے رُو سے لما توفّیتنی کے معنے امتّنی ہے۔✤ بھلا اگر یہ صحیح نہیں ہے تو تُو ہی بتلا کہ جبکہ متوفیك کے معنے ممیتك ہُوئے تو اس قول ابن عباس کے رُو سے لما توفّیتنی کے کیا معنے ہوئے؟ کیا ہمیں ضرور نہیں کہ ہم لما توفّیتنی کے معنے ایسی حدیث کی رُو سے کریں جیسی کہ حدیث کے رُو سے متوفّیك کے معنے کئے گئے ہیں۔ اگر ہم اس بات کے مجاز ہیں کہ ایک ہی محل کی دو آیتوں کی تفسیر میں ایک آیت کی تفسیر کو بطور حُجت پیش کردیں تو اِس میں کیا جھُوٹ ہُوا کہ ہم نے لکھدیا کہ حدیث کے رُو سے لما توفّیتنی کے معنے لما امتّنی ہیں۔ جبکہ توفی کے ایک صیغہ میں حدیث کی رُو سے یہ مستفاد ہوچکا کہ اس کے معنے وفات دینا ہے۔ تو وُہی استدلال دُوسرے صیغہ میں بھی جاری کرنا کیوں حدیثی استدلال سے باہر سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ کہنا کہ ہم اُسی قول کو حدیث کہیں گے جس کا اسناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہو۔

✤ اس طور کے قول قرآن شریف میں صدہا پائے جاتے ہیں کہ متکلم کے تو اور الفاظ اور اور پیرایہ تھا مگر خدا تعالیٰ نے الگ پیرایہ میں بیان فرمایا اور پھر کہا کہ یہ اُسی کا قول ہے افسوس کہ میرے بخل کے لئے یہ لوگ اب قرآن شریف پر بھی اعتراض کرنے لگے۔ اب تو خطرناک علامتیں ظاہر ہوگئیں خدا اپنا فضل کرے آمین۔ منہ

یعنے وہ مرفوع متصل ہو۔ یہ اور جہالت ہے۔ کیا جو منقطع حدیث ہو۔ اور
مرفوع متصل نہ ہو۔ وہ حدیث نہیں کہلاتی۔ شیعہ مذہب کے امام اور محدث کسی
حدیث کو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہنچاتے تو کیا اُن اخبار کا نام
احادیث نہیں رکھتے اور خود سُنیوں کے محدثوں نے بعض اخبار کو موضوع کہکر
پھر بھی اُن کا نام حدیث رکھا ہے۔ اور حدیث کو کئی قسموں پر منقسم کرکے سب کا
نام حدیث ہی رکھ دیا ہے۔ افسوس کہ تم لوگوں کی کہانتک نوبت پہنچ گئی ہے کہ
اُن باتوں کا نام بھی جھوٹ رکھتے ہو جس طرز کو قرآن شریف نے اختیار کیا ہے۔
اور محض شرارت سے خدا کی پاک کلام پر حملہ کرتے ہو۔ ظاہر ہے کہ اگر مثلاً کوئی
یہ کہے کہ مَیں نے پلاؤ کی ساری رکابی کھالی تو اُس کو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُس نے
جھُوٹ بولا ہے۔ اور جھُوٹ یہ کہ اُس نے چاول کھائے ہیں رکابی کو توڑ کر تو
نہیں کھایا۔ اور جبکہ نصوص حدیثیہ کا استدلال کلّیت کا فائدہ بخشتا ہے۔ تو
یہ کہنا کہ حدیث کے رُو سے لما توفّیتنی کے معنے لما امتّنی ہیں یعنے اِس
بنا پر کہ متوفّیك ممیتك آچکا ہے اِس میں کونسا کذب اور دروغ ہے۔
لیکن ایسے جاہل کو کون سمجھائے جو اپنی جہالت کے ساتھ تعصب کی زہر بھی مخلوط
رکھتا ہے۔ مگر غنیمت ہے کہ جیسا کہ یہ لوگ تین جھُوٹ حضرت ابراہیم علیہ السلام
کی طرف منسوب کرتے ہیں ایسا ہی تین جھُوٹ میری طرف بھی منسوب کئے۔
ہم اِس ابراہیمی مشابہت پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے جھُوٹ اور
افترا کو ان کے مُونہہ پر مارتے ہیں۔

قولہ۔ دُوسرا جھُوٹ اسی صفحہ سطر ۲۳ و ۲۴ میں لکھا ہے۔ قرآن شریف کا
یہ فرمانا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جو فوت
نہیں ہوگیا۔ یہ بھی سراسر جھُوٹ ہے۔ قرآن شریف میں فقط خَلَتْ مِنْ

ص ۳۹

قبلہ الرسل موجود ہے۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیغمبر گذرے۔

اقول۔ کیا گذرنا بجز مرنے کے کوئی اور چیز بھی ہے۔ جو شخص دنیا سے گذر گیا۔ اسی کو تو کہتے ہیں کہ مرگیا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ؎

صفحہ ۲۰ — پدر چوں دور عمرش منقضی گشت ✧ مرا ایں یک نصیحت داد و بگذشت

اب بتلاؤ کہ بگذشت کے اس جگہ کیا معنے ہیں۔ کیا یہ کہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ کا باپ زندہ بجسم عنصری آسمان پر چلا گیا تھا۔ یا یہ کہ مرگیا تھا۔ اے عزیز کیا ان تاویلات رکیکہ سے ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلے گئے تھے۔ تمام دنیا کا یہ محاورہ ہے کہ جب مثلاً کہا جائے کہ فلاں بیمار گذر گیا تو کوئی بھی یہ معنے نہیں کرتا کہ وہ آسمان پر مع جسم عنصری چڑھ گیا۔ اور عربی میں بھی گذرنا بمعنی مرنا ایک قدیم محاورہ ہے چنانچہ ایک فاضل کی نسبت جو کسی کتاب کو تالیف کرنا چاہتا تھا اور قبل از تالیف مرگیا کسی کا یہ پورانا شعر ہے۔ ؎

ولم یتفق حتی مضی بسبیلہ ✧ وکم حسرات فی بطون المقابر

یعنے اس فاضل کو اس کتاب کا تالیف کرنا اتفاق نہ ہوا۔ یہاں تک کہ گذر گیا۔ اور قبروں کے پیٹ میں بہت سی حسرتیں ہیں یعنے اکثر لوگ قبل اس کے جو اپنے ارادے پورے کریں مر جاتے ہیں۔ اور حسرتوں کو قبروں میں ساتھ لیجاتے ہیں۔ اب دیکھو کہ اس جگہ بھی گذرنا بمعنی مرنے کے ہے۔ اور اگر یہ کہو کہ کس تفسیر والے نے یہ معنے لکھے ہیں۔ تو اس کا یہ جواب ہے کہ ہر ایک محقق مفسر جو عقل اور بصیرت اور علم بصیرت سے حصہ رکھتا ہے یہی معنے لکھتا ہے۔ دیکھو تفسیر مظہری صفحہ ۲۸۵ زیر آیت قد خلت من قبلہ الرسل یعنے مضت وماتت من قبلہ الرسل یعنے

پہلے نبی دُنیا سے گذر گئے اور مر گئے۔ اور الف لام سے اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی ان میں سے موت سے خالی نہیں رہا۔ ایسا ہی تبصیر الرحمان و تیسیر المنان للشیخ العلامہ زین الدین علی المہائمی۔ زیر آیت قد خلت لکھا ہے۔ قد خلت۔ منہم من مات و منہم من قُتل فلا منافات بین الرسالہ والقتل والموت۔ دیکھو صفحہ ۱۷۷۔ جلد پہلی۔ تبصیر الرحمان۔ یعنے گذشتہ انبیاء دُنیا سے اس طرح گذر گئے کہ کوئی مرگیا اور کوئی قتل کیا گیا۔ پس نبوت اور موت اور قتل میں کچھ منافات نہیں۔ ایسا ہی تفسیر جامع البیان للشیخ العلامہ سید معین الدین ابن شیخ سید صفی الدین صفحہ ۲۱ میں زیر آیت قد خلت من قبلہ الرسل لکھا ہے۔ قد خلت من قبلہ الرسل بالموت او القتل فیخلو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایضًا۔ یعنے تمام نبی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے موت کے ساتھ یا قتل کے ساتھ دُنیا سے گذر گئے۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی دُنیا سے گذر جائیں گے۔ ایسا ہی حاشیہ غایۃ القاضی وکفایۃ الراضی علی تفسیر البیضاوی جلد ۳ صفحہ ۶۸ مقام مذکور کے متعلق یہ لکھا ہے۔ لیس (رسولنا صلی اللہ علیہ وسلم) متبرءًا عن الھلاک کسائر الرسل و یخلو کما خلوا۔ یعنے ہمارے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موت سے مستثنیٰ نہیں ہیں بلکہ جیسا کہ پہلے اُن سے تمام پیغمبر مر چکے ہیں وُہ بھی مرینگے۔ اور جیسا کہ وہ اِس دُنیا سے گذر گئے وہ بھی گذر جائیں گے۔ ایسا ہی تفسیر جمل میں جس کا دُوسرا نام فتوحات الٰہیہ ہے یعنے جلد ایک صفحہ ۳۲۶ میں زیر تفسیر آیت وما محمد۔ قد خلت یہ لکھا ہے۔ کانہم اعتقدوا انہ لیس کسائر الرسل فی انہ یموت کما ماتوا۔ یعنے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو گویا یہ گمان ہوا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُوسرے نبیوں کی طرح نہیں مرینگے بلکہ زندہ رہیں گے۔ سو

۲۱

فرمایاکہ وہ بھی مرے گا۔ جیساکہ پہلے تمام نبی مر گئے۔ ایسا ہی تفسیر صافی زیر آیت مذکورہ جلد اوّل میں لکھا ہے۔ فسیخلوا کما خلوا بالموت او القتل یعنے حضرت سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلّم بھی دُنیا سے ایسا ہی گذر جائے گا جیساکہ دُوسرے نبی موت یا قتل کے ساتھ دُنیا سے گذر گئے۔ اب ظاہر ہے کہ ان تمام تفسیر والوں نے لفظ خلت کے معنے ماتت ہی کیا ہے یعنے اِس آیت کے یہی معنے کئے ہیں کہ جیسے پہلے تمام انبیاء علیہم السلام فوت ہو گئے ہیں۔ ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بھی وفات پائیں گے۔ اب دیکھو کہ حضرت مسیح کی مَوت پر یہ کس قدر روشن ثبوت ہے جو تمام تفسیروں والے یک زبان ہو کر بول رہے ہیں کہ پہلے جس قدر دُنیا میں نبی آئے سب فوت ہو چکے ہیں۔ ماسوا اِس کے ہر ایک ایماندار کا یہ فرض ہے کہ اِس مقام میں جن معنوں کی طرف خود اللہ جلّ شانہ نے اشارہ فرمایا ہے اُنہی معنوں کو درست سمجھے اور اس کے مخالف معنوں کو زیغ اور الحاد یقین کرے۔ اور یہ بات نہایت بدیہی اور اظہر من الشمس ہے کہ اللہ جلّ شانہ نے آیت قد خلت من قبله الرسل[1] کی تفسیر میں آپ ہی فرما دیا ہے أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ۔ پس اِس ساری آیت کے یہ معنے ہوئے کہ پہلے تمام نبی اِس دُنیا سے مَوت یا قتل سے گذر چکے ہیں۔ سو اگر یہ نبی بھی اُنہی کی طرح موت یا قتل سے گذر جائے۔ تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے۔ اِس جگہ یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ اِس مقام میں خدا تعالیٰ نے دُنیا سے گذر جانے کے دو ہی طور پر معنے قرار دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ بذریعہ موت حتف انف یعنے طبعی موت کے انسان مر جائے۔ اور دُوسرے یہ کہ مارا جائے یعنے قتل کیا جائے۔ غرض خدا تعالیٰ نے خلت کے لفظ کو مَوت یا قتل میں محصُور کر دیا ہے۔ پس ظاہر ہے کہ اگر کوئی تیسرا شق بھی خُدا تعالیٰ کے علم میں ہوتا تو خلت کے

صفحہ ۴۱

[1] آل عمران : ۱۴۵

معنوں کی تکمیل کے لئے اِس کو بھی بیان فرماتا۔ مثلاً یہ کہنا۔ افائن مات اوقتل
اورُفع الی السماء بجسمہ کما رُفع عیسٰی انقلبتم علیٰ اعقابکم ۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ
سارے نبی پہلے اِس سے گذر چکے ہیں۔ پس اگر یہ نبی بھی مَر جائے یا قتل کیا جائے
یا عیسٰی کی طرح مع جسم آسمان پر اُٹھایا جائے۔ تو کیا تم اِس دین سے پھر جاؤ گے۔
اَب اے عزیز کیا تو خُدا پر اعتراض کرے گا کہ وُہ اِس تیسری شق کا بیان کرنا
بھُول گیا۔ اور صرف دو شق بیان کئے۔ لیکن عقلمند خُوب جانتے ہیں۔ کہ
لفظ خلت جو ایک تشریح طلب لفظ تھا اسکی تشریح صرف مُوت یا قتل سے کرنا
اس بات پر قطعی دلالت کرتا ہے کہ خُدا تعالیٰ کے نزدیک اِس مقام میں خلت
کے معنے یا موت یا قتل ہے اور کچھ نہیں۔ اور یہ ایک ایسا یقینی اَمر ہے جو
اس سے انکار کرنا گویا خدا کی اطاعت سے خارج ہونا اور اسپر افترا کرنا ہے۔ جبکہ
خدا تعالیٰ نے اسی آیت میں اپنے ہی مُنہ سے بیان فرمادیا کہ خلت کے معنے یا
مرنا یا قتل کئے جانا ہے۔ تو اِس سے مخالف بولنا کذب عظیم اور ایک بڑا افترا ہے
اور صغائر میں سے نہیں ہے بلکہ کبیرہ گناہ ہے۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ کے نزدیک خلت
کے معنے دو میں ہی محصور ٹھہرے یعنے مَرنا یا قتل کئے جانا۔ تو اِس سے زیادہ
افترا اور دروغ کیا ہوگا کہ جس طرح نصاریٰ نے خواہ نخواہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو
خدا تعالیٰ کا بیٹا قرار دیا۔ اِسی طرح خواہ نخواہ بغیر دلیل اور سلطان مبین کے
خلت کے معنوں میں آسمان پر بجسم عنصری اُٹھائے جانا داخل سمجھا جائے۔
ہاں اس جگہ طبعاً یہ سوال پَیدا ہوگا۔ کہ جبکہ ائمہ لغت عرب نے بھی خلت
کے معنے کہیں یہ نہیں لکھے کہ کوئی شخص زندہ مع جسم عنصری آسمان پر چلا جائے
تو کیا حاجت تھی کہ خدا تعالیٰ نے اَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ کے ساتھ لفظ خلت
کی تشریح فرمائی تو اس کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ فیج اعوج کے زمانہ

۴۳

میں خلت کے یہ معنے بھی کئے جائیں گے کہ حضرت مسیح کو زندہ مع جسم عنصری آسمان پر پہنچا دیا گیا ہے۔ لہذا اِس تشریح سے بطور حفظ ما تقدم پہلے سے ہی ان خیالاتِ فاسدہ کا ردّ کر دیا۔ اب اس تمام تحقیق کے رُو سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مَیں نے ان معنوں میں کوئی جھوٹ نہیں بولا۔ بلکہ آپ ناراض نہ ہوں آپ خود بوجہ ترک معنی قرآن اِس قول شنیع دروغگوئی کے مرتکب ہوئے ہیں مَیں آپ کو ہزار روپیہ بطور انعام دینے کو طیار ہوں۔ اگر آپ کسی قرآن شریف کی آیت یا کسی حدیث قوی یا ضعیف یا موضوع یا کسی قول صحابی یا کسی دُوسرے امام کے قول سے یا جاہلیت کے خطبات یا دواوین اور ہر ایک قسم کے اشعار یا اسلامی فصحاء کے کسی نظم یا نثر سے یہ ثابت کرسکیں کہ خلت کے معنوں میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی شخص مع جسم عنصری آسمان پر چلا جائے۔ خدا تعالیٰ کا قرآن شریف میں اوّل خلت کا بیان کرنا اور پھر ایسی عبارت میں جو بموجب اصول بلاغت و معانی تفسیر کے محل میں ہے صرف مرنا یا قتل کئے جانا بیان فرمانا۔ کیا مومن کے لئے یہ اِس بات پر حُجت قاطع نہیں ہے کہ خلت کے معنے اِس محل میں دو ہی ہیں یعنے مرنا یا قتل کئے جانا۔ اب خدا کی گواہی کے بعد اور کس کی گواہی کی ضرورت ہے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ ایسے مقام میں خدا تعالیٰ نے میری سچائی کی گواہی دیدی اور بیان فرما دیا کہ خلت کے معنے مرنا یا قتل کئے جانا ہے۔ آپ نے تو اِس مقام میں اپنے اس اشتہار میں میری نسبت یہ عبارت لکھی ہے کہ ایسا جھوٹ بولا ہے کہ کسی ایماندار بلکہ ذرہ شرم اور حیا کے آدمی کا کام نہیں۔ لیکن یہ بھی خدا تعالےٰ کا ایک عظیم الشان نشان ہے کہ وہی جھوٹ قرآنی شہادت سے آپ پر ثابت ہوگیا۔ اب بتلائیے کہ مَیں آپ کی نسبت کیا کہوں۔ آپ نے ناحق جلد بازی کرکے میرا نام دروغگو رکھا۔ لیکن مَیں نہیں چاہتا۔ کہ

۴۷

بدی کا بدی کے ساتھ جواب دوں۔ بلکہ اگر اسلامی شریعت میں جھوٹ بولنا حرام اور گناہ نہ ہوتا۔ تو مَیں بعوض آپ کے کذاب کہنے کے آپ کو صدیق کہتا اور بعوض اس کے کہ آپ نے محض دروغگوئی سے مجھے ذلیل اور شکست یافتہ قرار دیا آپ کو معزّز اور فتحیاب کے نام سے پکارتا۔

قولہ۔ تیسرا جھوٹ اسی صفحہ سطر ۲۷ میں جمیع صحابہ رضی اللہ عنہم کا حضرت مسیح علیہ السلام اور تمام نبیوں کی موت پر اجماع ہو جانا یہ بھی سفید جھوٹ ہے۔ اصحاب کرام تو لاکھ سے بھی زیادہ ہونگے سب سے ثبوت دینا تو مشکل ہے۔

اقول۔ اسجگہ مجھے آپ لوگوں کی حالت پر رونا آتا ہے کہ کیسے خُدا نے عقل و علم اور دیانت کو سینوں میں سے چھین لیا۔ کیا اسی مایۂ علمی پر آپ لوگ مولوی کہلاتے ہیں اور ایک دوسرے کا نام علماء کرام اور صوفیہ عظام رکھتے ہیں۔ اے قابل رحم نادان یہ بات فی الواقع سچ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اور تمام گذشتہ نبیوں کی موت کی نسبت صحابہ کرام کا اجماع ہوگیا تھا۔ اور جس طرح خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر اجماع پایا گیا ہے۔ اسی قسم کا بلکہ اس سے افضل و اعلیٰ یہ اجماع تھا۔ اور اگر کوئی جرح قدح اس اجماع پر ہوتا ہے تو اس سے زیادہ جرح قدح خلافت مذکورہ کے اجماع پر ہوگا۔ درحقیقت یہ اجماع خلافت ابوبکر کے اجماع سے بہت بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اس میں کوئی ضعیف قول بھی مروی نہیں جس سے ثابت ہو جو کسی صحابی نے حضرت ابوبکر کی مخالفت کی یا تخلف کیا یعنے جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت پر بطور استدلال کے یہ آیت پڑھی کہ ما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل اَفَائِنْ مّات او قتل انقلبتم علیٰ اعقابکم[1] جس کا یہ ترجمہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک رسول ہے اس میں کوئی جزو الوہیت کی نہیں۔ اور اس سے پہلے تمام رسول

مشـ۴۵

[1] آل عمران: ۱۴۵

دنیا سے گذر چکے ہیں یعنے مر چکے ہیں۔ پس ایسا ہی اگر یہ بھی مر کر یا قتل ہو کر دُنیا سے گذر گیا تو کیا تم دین سے پھر جاؤ گے۔ تو اس آیت کے سُننے کے بعد کسی ایک صحابی نے بھی مخالفت نہیں کی اور اُٹھ کر یہ عرض نہیں کی کہ یہ آپ کا استدلال ناقص اور ناتمام ہے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ بعض نبی زندہ بجسم عنصری زمین پر موجود ہیں جیسے الیاس و خضر اور بعض آسمان پر جیسے ادریس اور عیسٰی تو پھر اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت موت کیونکر ثابت ہو۔ اور کیوں جائز نہیں کہ وُہ بھی زندہ ہوں۔ بلکہ تمام صحابہ نے اس آیت کو سُنکر تصدیق کی اور سب کے سب اِس نتیجہ تک پہنچ گئے کہ تمام نبیوں کی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی مرنا ضروری تھا۔ پس یہ اجماع بلا توقف اور تردّد واقع ہُوا۔ لیکن وہ اجماع جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر مانا جاتا ہے۔ اِس میں بعض صحابہ کی طرف سے بیعت کرنے میں کچھ توقف اور تردّد بھی ہُوا تھا۔ گو کچھ دِنوں کے بعد بیعت کر لی۔ اور اس ابتلا میں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مبتلا ہو گئے تھے۔ لیکن گذشتہ انبیاء کی موت پر کسی صحابی کو بعد سُننے صدیقی خطبہ کے کوئی ابتلا پیش نہیں آیا اور نہ ماننے میں کچھ بھی توقف اور تردّد کیا۔ بلکہ سُنتے ہی مان گئے۔ لہذا اسلام میں یہ وُہ پہلا اجماع ہے جو بلا توقف انشراح صدر کے ساتھ ہُوا۔ خلاصہ کلام یہ کہ بیشک نصوص صریحہ کے رُو سے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام کی موت پر جس میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں اجماع ہو گیا تھا۔ بلکہ حضرت مسیح اِس اجماع کا پہلا نشانہ تھے۔ اب ذیل میں نصوص حدیثیہ کے رُو سے ثبوت لکھتا ہوں تا معلوم ہو کہ ہم دونوں میں سے کون شخص خدا تعالیٰ سے خوف کر کے سچ پر قائم ہے اور کون شخص دلیری سے جھوٹ بولتا

ص۴۶

اور نصوص صریحہ کو چھوڑتا ہے۔

واضح ہو کہ اِس بارے میں صحیح بخاری میں جو اصح الکتب کہلاتی ہے مندرجہ ذیل عبارتیں ہیں۔ عن عبد اللّٰہ بن عباس ان ابا بکر خرج و عمر یکلم النّاس فقال اجلس یا عمر فابیٰ عمر ان یجلس فاقبل الناس الیہ و ترکوا عمر فقال ابوبکر اما بعد من منکم یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان منکم یعبد اللّٰہ فان اللّٰہ حی لا یموت قال اللّٰہ وما محمد الّا رسُول قد خلت من قبلہ الرسل۔ الی الشاکرین۔ وقال و اللّٰہ کانّ الناس لم یعلموا ان اللّٰہ انزل ھذہ الاٰیۃ حتّٰی تلاھا ابوبکر فتلقاھا منہ الناس کلّھم فما اسمع بشرا من الناس الّا یتلوھا۔۔۔۔ ان عمَرَ قال و اللّٰہ ما ھو الا ان سمعتُ ابا بکر تلاھا فعُقِرت حتّٰی ما یقلنی رجلای وحتّٰی اھویت الی الارض حتّٰی سمعتہ تلاھا ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلّم قد مات۔ یعنے ابن عباس سے روایت ہے کہ ابوبکر نکلا (یعنے بروز وفات آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم) اور عمر لوگوں سے کچھ باتیں کر رہا تھا (یعنے کہہ رہا تھا کہ آنحضرت فوت نہیں ہوئے بلکہ زندہ ہیں) پس ابوبکر نے کہا کہ اے عمر بیٹھ جا مگر عمر نے بیٹھنے سے انکار کیا۔ پس لوگ ابوبکر کی طرف متوجہ ہوگئے اور عمر کو چھوڑ دیا۔ پس ابوبکر نے کہا کہ بعد حمد و صلوٰۃ واضح ہو کہ جو شخص تم میں سے محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی پرستش کرتا ہے اس کو معلوم ہو کہ محمد (صلی اللّٰہ علیہ وسلم) فوت ہوگیا اور جو شخص تم میں سے خدا کی پرستش کرتا ہے تو خدا زندہ ہے جو نہیں مریگا۔ اور آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلّم کی موت پر دلیل یہ ہے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ محمدؐ صرف ایک رسول ہے۔ اور اس سے پہلے تمام رسول اس دُنیا سے گذر چکے ہیں یعنے مَر چکے ہیں اور حضرت

مـ۴۷

ابو بکر نے الشاکرین تک یہ آیت پڑھکر سنائی* کہا راوی نے پس بخدا گویا لوگ اس سے بے خبر تھے کہ یہ آیت بھی خدا نے نازل کی ہے۔ اور ابو بکر کے پڑھنے سے اُن کو پتہ لگا۔ پس اس آیت کو تمام صحابہ نے ابو بکر سے سیکھ لیا۔ اور کوئی بھی صحابی یا غیر صحابی باقی نہ رہا جو اِس آیت کو پڑھتا نہ تھا۔ اور عمر نے کہا کہ بخدا میں نے یہ آیت ابو بکر سے ہی سُنی جب اُس نے پڑھی۔ پس میں اُس کے سُننے سے ایسا بے حواس اور زخمی ہوگیا ہوں کہ میرے پَیر مجھے اُٹھا نہیں سکتے اور میں اُس وقت سے زمین پر گرا جاتا ہوں جب سے کہ میں نے یہ آیت پڑھتے سُنا۔ اور یہ کلمہ کہتے سُنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوگئے۔ اور اس جگہ قسطلانی شرح بخاری کی یہ عبارت ہے۔ وعمر بن الخطاب یکلّم النّاس یقول لہم ما مات رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم .... ولا یموت حتّٰی یقتل المنافقین۔ یعنے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لوگوں سے باتیں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے۔ اور جب تک منافقوں کو قتل نہ کرلیں فوت نہیں ہونگے اور ملل ونحل شہرستانی※ میں اس قصہ کے متعلق یہ عبارت ہے۔ قال عمر بن الخطاب من قال ان محمدا

صہ ۴۸

* اس آیت کا اگلا فقرہ یعنے افان مات او قتل صاف بتلا رہا ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک گذر جانا صرف دو قسم پر ہے یا بذریعہ موت حتف انف اور یا بذریعہ قتل اور خدا تعالیٰ نے اس آیت میں یہ نہیں فرمایا کہ گذر جانا اِس طرح بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص زندہ بجسم عنصری آسمان پر چلا جائے۔ پس جبکہ خدا تعالیٰ نے گذر جانے کی تشریح لفظ افان مات او قتل سے آپ کردی اور اسپر حصر کر دیا تو اسکے بعد نہ ماننا کسی صالح مومن کا کام نہیں۔ منہ

※ الملل لابی الفتح الامام محمد بن عبد الکریم الشہرستانی المتوفّٰی ۵۴۸ھ قال التاج السبکی فی طبقاتہ کتاب الملل والنحل للشہرستانی ھو عندی خیر کتاب فی ھذا الباب صفحہ ۹۔ منہ

مات فقتلته بسیفی ھذا۔ وانما رُفع الی السماء کما رُفع عیسیٰ ابن مریم علیه السلام وقال ابوبکر بن قحافه من کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان یعبد اله محمدٍ فانه حیّ لا یموت و قرء ھذہ الاٰیة وما محمد الّا رسُول قد خلت من قبله الرسل افائن مات او قُتل انقلبتم علیٰ اعقابکم[1] فرجع القوم الی قوله۔ دیکھو ملل نحل جلد ثالث۔ ترجمہ یہ ہے کہ عمر خطاب کہتے تھے کہ جو شخص یہ کہیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم فوت ہوگئے۔ تو مَیں اپنی اِسی تلوار سے اُس کو قتل کردُونگا۔ بلکہ وہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں جیساکہ عیسیٰ بن مریم اُٹھائے گئے* اور ابوبکر نے کہا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کی عبادت کرتا ہے تو وہ تو ضرور فوت ہوگئے ہیں۔ اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے خدا کی عبادت کرتا ہے تو وہ زندہ ہے نہیں مرے گا۔ یعنے ایک

ص۴۹

* حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ جو شخص حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کی نسبت یہ کلمہ مُنہ پر لائے گا کہ وہ مرگئے ہیں تو مَیں اس کو اپنی اسی تلوار سے اسکو قتل کردونگا۔ اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کو اپنے کسی خیال کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی پر بہت غلو ہوگیا تھا اور وہ اس کلمہ کو جو آنحضرت مرگئے کلمہ کفر اور ارتداد سمجھتے تھے۔ خداتعالیٰ ہزارہا نیک اجر حضرت ابوبکر کو بخشے کہ جلد تر اُنھوں نے اس فتنہ کو فرو کردیا اور نص صریح کو پیش کرکے بتلادیا کہ گذشتہ تمام نبی مرگئے ہیں اور جیساکہ انھوں نے مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کو قتل کیا درحقیقت اس تصریح سے بھی بہت سے فیج اعوج کے کذابوں کو تمام صحابہ کے اجماع سے قتل کردیا۔ گویا چار کذاب نہیں بلکہ پانچ کذاب مارے۔ یاالٰہی ان کی جان پر کروڑہا رحمتیں نازل کر آمین۔ اگر اِس جگہ خلت کے یہ معنے کئے جائیں کہ بعض نبی زندہ آسمان پر جابیٹھے ہیں تب تو اِس صُورت میں حضرت عمر حق بجانب ٹھہرتے ہیں اور یہ آیت انکو

ص۴۹

[1] آل عمران : ۱۴۵

خدا ہی میں یہ صفت ہے کہ وُہ ہمیشہ زندہ ہے اور باقی تمام نوع انسان و حیوان پہلے اس سے مرجاتے ہیں کہ اُن کی نسبت خلود کا گمان ہو۔ اور پھر حضرت ابوبکر نے یہ آیت پڑھی جس کا یہ ترجمہ ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول ہیں اور سب رسول دُنیا سے گذر گئے۔ کیا اگر وُہ فوت ہو گئے یا قتل کئے گئے تو تم مرتد ہو جاؤ گے۔ تب لوگوں نے اس آیت کو سُنکر اپنے خیالات سے رجوع کر لیا۔ اب سوچو کہ حضرت ابوبکر کا اگر قرآن سے یہ استدلال نہیں تھا منہ

مُضر نہیں بلکہ اُن کی مؤید ٹھہرتی ہے۔ لیکن اس آیت کا اگلا فقرہ جو بطور تشریح ہے یعنے افائن مات او قتل جسپر حضرت ابوبکر کی نظر جا پڑی ظاہر کر رہا ہے کہ اس آیت کے یہ معنے لینا کہ تمام نبی گذر گئے گو مرکر گذر گئے یا زندہ ہی گذر گئے یہ دجل اور تحریف اور خدا کی منشاء کے برخلاف ایک عظیم افترا ہے۔ اور ایسے افترا عمداً کرنے والے جو عدالت کے دن سے نہیں ڈرتے اور خدا کی اپنی تشریح کے برخلاف اُلٹے معنے کرتے ہیں۔ وُہ بلاشبہ ابدی لعنت کے نیچے ہیں۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اُس وقت تک اِس آیت کا علم نہیں تھا۔ اور دُوسرے بعض صحابہ بھی اسی غلط خیال میں مبتلا تھے۔ اور اُس سہو و نسیان میں گرفتار تھے جو مقتضائے بشریت ہے اور اُنکے دِل میں تھا کہ بعض نبی ابتک زندہ ہیں اور پھر دُنیا میں آئیں گے۔ پھر کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی مانند نہ ہوں۔ لیکن حضرت ابوبکر نے تمام آیت پڑھکر اور افائن مات او قتل سُنا کر دلوں میں بٹھا دیا کہ خلت کے معنے دو قسم میں ہی محصور ہیں (۱) حتف انف سے مرنا یعنے طبعی موت۔ (۲) مارے جانا۔ تب مخالفوں نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور تمام صحابہ اِس کلمہ پر متفق ہو گئے کہ گذشتہ نبی سب مرگئے ہیں۔ اور فقرہ افائن مات او قتل کا بڑا ہی اثر پڑا اور سب نے اپنے مخالفانہ خیالات سے رجوع کر لیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک ۔ منہ

کہ تمام نبی فوت ہو چکے ہیں۔ اور نیز اگر یہ استدلال صریح اور قطعیۃ الدلالت نہیں تھا تو وہ صحابہ جو بقول آپ کے ایک لاکھ سے بھی زیادہ تھے محض ظنی اور شکی امر پر کیونکر قائل ہو گئے اور کیوں یہ حجت پیش نہ کی کہ یا حضرت یہ آپکی دلیل ناتمام ہے اور کوئی نص قطعیۃ الدلالت آپ کے ہاتھ میں نہیں۔ کیا آپ ابتک اِس سے بے خبر ہیں کہ قرآن ہی آیت رافعك الیّ میں حضرت مسیح کا بجسمہ العنصری آسمان پر جانا بیان فرماتا ہے۔ کیا بل رفعہ اللہ الیہ بھی آپ نے نہیں سُنا۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان پر جانا آپ کے نزدیک کیوں مستبعد ہے۔ بلکہ صحابہ نے جو مذاق قرآن سے واقف تھے آیت کو سُنکر اور لفظ خلت کی تشریح فقرہ افائن مات اوقتل میں پاکر فی الفور اپنے پہلے خیال کو چھوڑ دیا۔ ہاں اُن کے دِل آنحضرت کی موت کی وجہ سے سخت غمناک اور چور ہو گئے اور اُن کی جان گھٹ گئی اور حضرت عمر نے فرمایا کہ اس آیت کے سُننے کے بعد میری یہ حالت ہو گئی ہے کہ میرے جسم کو میرے پَیر اُٹھا نہیں سکتے۔ اور مَیں زمین پر گرا جاتا ہوں۔ سُبحان اللہ کیسے سعید اور وقّاف عند القرآن تھے کہ جب آیت میں غور کر کے سمجھ آگیا کہ تمام گذشتہ نبی فوت ہو چکے ہیں تب بجز اسکے کہ رونا شروع کر دیا اور غم سے بھر گئے اور کچھ نہ کہا اور تب حضرت حسان بن ثابت نے یہ مرثیہ کہا ؎

کُنتَ السَّوادَ لناظری فعمِی علیك الناظرُ
من شآء بعدك فلیمُتْ فعلیك کنت احاذرُ

یعنے تو میری آنکھ کی پتلی تھا پس میری آنکھیں تو تیرے مَرنے سے اندھی ہو گئیں۔ اب تیرے بعد میں کسی کی زندگی کو کیا کروں۔ عیسٰی مَرے یا مُوسٰی مَرے بیشک مَر جائیں مجھے تو تیرا ہی غم تھا۔ یاد رہے کہ اگر حضرت ابوبکر کی نظر میں حضرت عیسٰی علیہ السلام

صلہ

موت سے باہر ہوتے تو وہ ہرگز اس آیت کو بطور استدلال پیش نہ کرتے۔ اور اگر صحابہ کو اس آیت کے ان معنوں میں جو تمام نبی فوت ہوچکے ہیں کچھ تردد ہوتا تو وہ ضرور عرض کرتے کہ جس حالت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ بجسم عنصری آسمان پر چلے گئے ہیں تو پھر یہ دلیل ناتمام ہے اور کیا وجہ کہ عیسٰی کی طرح آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بھی زندہ آسمان پر نہ گئے ہوں۔ لیکن اصل حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عیسٰی کی موت کا بھی اُسی دن فیصلہ ہُوا۔ اور صحابہ نے اس آیت کو سُنکر بعد اسکے کبھی دم نہیں مارا کہ حضرت عیسٰی زندہ ہیں۔ اور چونکہ صحیح بخاری کے لفظ کُلّھم سے ثابت ہوگیا کہ اُسوقت سب صحابہ موجود تھے اور کسی نے اس آیت کے سُننے کے بعد مخالفت نہ کی۔ اِس لئے ماننا پڑا کہ اُن سب کا تمام گذشتہ انبیاء کی موت پر اجماع ہوگیا اور یہ پہلا اجماع تھا جو صحابہ میں ہُوا۔ اور خلافت ابوبکر کے اجماع سے جو بعد اس کے ہُوا یہ اجماع بہت بڑھ کر تھا۔ کیونکہ اس میں کسی نے دم نہیں مارا۔ اور خلافت ابوبکر میں ابتدا میں اختلاف ہوگیا تھا۔ ہاں اِس جگہ یہ خیال گذرتا ہے کہ اس آیت کے سُننے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عیسٰی کی نسبت یہ مذہب تھا کہ باوجود مرجانے کے وہ بھی دُنیا میں واپس آئیں گے۔ کیونکہ انھوں نے انکا رفع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا رفع ایک ہی طور کا قرار دیا۔ اور جبکہ وُہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا جسم تو حضرت عایشہ کے گھر میں ہی ابتک پڑا ہے تو وہ باوجود اقرار مشابہت کے کس طرح اس بات کے قائل ہوسکتے تھے کہ حضرت مسیح کا جسم آسمان پر چلا گیا۔ لیکن آیت کو سُنکر یہ خیال بھی انھوں نے چھوڑ دیا اور اس روز تمام صحابہ اس بات پر ایمان لائے کہ اِس سے پہلے سب نبی فوت ہوچکے ہیں۔ اور درحقیقت بڑی بے ادبی تھی اور سخت گناہ تھا کہ نبی خاتم الرسل

مٹ

افضل الانبیاء فوت ہو جائیں۔ انکی میت سامنے پڑی ہو۔ اور کسی دوسرے نبی کی نسبت یہ خیال ہو کہ وہ فوت نہیں ہوا۔ درحقیقت یہ خیال اور محبت اور تعظیم رسول کریم ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتی۔ ایمانداری اور تقویٰ سے سوچو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے بلکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ اِس خیال کا رد بجز اسکے کب ممکن تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت مسیح اور تمام گذشتہ نبیوں کی موت ثابت کرتے۔ بھلا اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا اس آیت قد خلت کے پڑھنے سے یہ ارادہ نہ تھا کہ حضرت مسیح وغیرہ انبیاء گذشتہ کی موت ثابت کریں تو انھوں نے حضرت عمر کے خیال کا رد کیا کیا۔ حضرت عمر کے اس خیال کا تمام دار مدار حضرت مسیح کے زندہ اٹھائے جانے پر تھا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ بعض صحابہ اپنے اجتہاد سے یہ سمجھے بیٹھے تھے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اور پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے تو حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر حضرت مسیح زندہ آسمان پر چلے گئے ہیں تو پھر ہمارے نبی احق و اولیٰ ہیں کہ زندہ آسمان پر چلے جائیں کیونکہ یہ ایک عظیم فضیلت ہے کہ خدا تعالیٰ کسی نبی کو زندہ آسمان پر اپنے پاس بُلا لے۔ اور بلحاظ طریقت و حُسنِ ادب یہ بات کفر کے رنگ میں تھی کہ ایسا سمجھا جائے کہ گویا حضرت مسیح تو زندہ آسمان پر چلے گئے۔ اور وُہ نبی جو خاتم الانبیاء اور افضل الانبیاء ہے جسکے وجود باجود کی بہت سی ضرورتیں ہیں وہ عمر طبعی تک بھی نہ پہنچے۔ اگر بے ایمانی اور تعصب مانع نہ ہو تو یہ آیت مذکورہ بالا ایک بڑی نص صریح اس بات پر ہے کہ تمام صحابہ کا اسی پر اتفاق ہو گیا تھا کہ مسیح وغیرہ تمام گذشتہ انبیاء علیہم السلام فوت ہو چکے ہیں۔ اور اگر یہ نہیں تو بھلا ہوش کر کے اور خدا سے ڈر کر

بتلاؤ کہ اس مخالفت کے وقت میں جو حضرت ابوبکرؓ کی رائے اور حضرت عمرؓ کی رائے
میں واقع ہوئی تھی جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنی رائے کی تائید میں یہی پیش
کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں۔ سو ایسا ہی آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھائے جائیں گے۔ اور پھر کیوں ممتنع اور محال ہے کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم باوجود بہتر اور افضل ہونے کے حضرت مسیح کی طرح آسمان پر
نہ اُٹھائے جائیں۔ اُسوقت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرؓ کی رائے
کے ردّ کرنے میں جو آیت قد خلت من قبله الرسل[1] پڑھی اِس سے اُن کا
اگر یہ مطلب نہیں تھا کہ حضرت عیسیٰ بھی جن کا حوالہ دیا جاتا ہے فوت ہو چکے
ہیں تو پھر اور کیا مطلب تھا اور کیونکر حضرت عمرؓ کے خیال کا بجز اس کے ازالہ
ہو سکتا تھا۔ اور آپ کا یہ کہنا کہ اسپر اجماع نہیں ہوا۔ یہ ایسا صریح جھوٹ
ہے کہ بے اختیار رونا آتا ہے کہ کہانتک آپ لوگوں کی نوبت پہنچ گئی ہے۔
اے عزیز! بخاری میں تو اس جگہ کلّھم کا لفظ موجود ہے جس سے ظاہر ہے کہ
کُل صحابہ اُسوقت موجود تھے اور لشکر اسامہ جو بیس ہزار آدمی تھا۔ اس
مصیبت عظمیٰ واقعہ خیر الرسل سے رُک گیا تھا۔ اور وہ ایسا کون بے نصیب
اور بدبخت تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سُنی اور
فی الفور حاضر نہ ہوا۔ بھلا کسی کا نام تو لو۔ ماسوا اِس کے اگر فرض بھی کر لیں
کہ بعض صحابہ غیر حاضر تھے تو آخر مہینہ دو مہینہ چھ مہینہ کے بعد ضرور آئے ہونگے
پس اگر انھوں نے کوئی مخالفت ظاہر کی تھی اور آیت قد خلت کے اور معنے
کئے تھے تو آپ اس کو پیش کریں۔ اور اگر پیش نہ کر سکیں تو پس یہی ایمان اور دیانت
کے برخلاف ہے کہ ایسے جامع اجماع کے برخلاف آپ عقیدہ رکھتے ہیں۔
حضرت مسیح کی موت پر یہ ایک ایسا زبردست اجماع ہے کہ کوئی بے ایمان

ص۵۳

لہ آل عمران: ۱۴۵

اس سے انکار کرے تو کرے۔ نیک بخت اور متقی آدمی تو ہرگز اس سے انکار نہیں کرے گا۔ اب بتلاؤ کہ حضرت مسیح کی موت پر اجماع تو ہوا زندگی پر کہاں اجماع ثابت ہے۔ برابر تفسیروں والے ہی لکھ جاتے ہیں کہ یہ بھی قول ہے کہ تین دن یا تین گھنٹے کے لئے مسیح مر بھی گیا تھا۔ گویا مسیح کے لئے دو موتیں تجویز کرتے ہیں۔ میتتہ الاولیٰ و میتتہ الاخریٰ۔ اور امام مالک کا قول ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے مر گیا۔ یہی قول امام ابن حزم کا ہے۔ معتزلہ برابر اس کی موت کے قائل ہیں۔ اور بعض صوفیہ کرام کے فرقے یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ عیسیٰ مسیح مر گیا اور اس کے خلق اور خُو پر کوئی اور شخص اسی اُمت میں سے دُنیا میں آئے گا اور بروزی طور پر وُہ مسیح موعود کہلائے گا۔ اب دیکھو جتنے مُنہ اُتنی ہی باتیں۔ اجماع کہاں رہا۔ اجماع صرف موت پر ہوا۔ اور یہی اجماع آپ لوگوں کو ہلاک کر گیا۔ اب روافض کی طرح حضرت ابوبکر کو کوستے رہو جنہوں نے آپ کے اس عقیدہ کی بیخ کنی کی۔ اعلموا رحمکم اللہ

ان حاصل کلامنا ھذا ان الاجماع علیٰ موت المسیح عیسیٰ بن مریم وغیرہ من النبیین الذین بعثوا قبل سیدنا ورسولنا المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت متحقق بالنصوص الحدیثیۃ القطعیۃ والروایات الصحیحۃ المتواترۃ۔ ویعلم کل من عندہ علم الحدیث ان ھذا الاجماع قد انعقد فی ناد محشود ومحفل مشھود عند اجتماع جمیع بدور الاصحاب وبحور الالباب۔ فما تناضلوا بالانکار۔ وما ردّوا رای امامھم المختار۔ وما ذکروا شیئا من ھفوتہ۔ وما صالوا علیٰ فوھتہ۔ بل سکنت عند بیان الصدیق قلوبھم۔ ومالت الی السلم حروبھم۔ ووجدوا البرھان المحکم والدلیل القوی الجلیل۔ فتحاموا القال والقیل۔ وسُقِل الخواطرُ

و انار القلوبُ ونشط الفاتر ۔ وکانوا قبل ذالك غرضَ اللظی ۔ اوکرجل التهبت احشاءہ بالطری بما عیل صبرھم بموت النبیّ سیدھم المصطفٰی محمدن المجتبیٰ وما قلقت قلوبھم وصار فوادھم فارغا بما فقد واحبّہم خیر الورٰی وکانوا کالمبھوتین فاذا اقام عبد اللہ الصدیق ۔ فتح علیھم باب التحقیق ۔ و اروٰہم من ھذا الرحیق ۔ و قُضِیَ الامر و اُزیل الشبھاتُ ۔ و سکنت الاصواتُ ۔ و انعقد الاجماع علی موت المسیح وسائرُ الانبیاء الماضین بل ھو اوّل ما اجمع علیہ الصحابۃ بعد موت خاتم النبیین ۔ و لھذا الاجماع شان اکبر من اجماعٍ انعقد علیٰ خلافۃ ابی بکرن الصدیق فانّ الصحابۃ اتفقوا علیہ کلھم وما بقی من فریق ۔ و قبلوا ذالك الامر من غیر تردد و توقفٍ بل باتم الاذعان و الیقین ۔ وکان کلھم یتلون الآیت و یُقِرُّون بموت الرسل ویبکون علی موت سید المرسلین ۔ حتّٰی اذا سمع الفاروق الاٰیۃ قال عُقِرت وما تقلنی رجلای و کان من الحزن کالمجانین ۔ و قال حسّان و ھو یرثی رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم ۔ ؎

کنت السواد لناظری فعمی علیك الناظر ✤ من شاء بعدك فلیمت فعلیك کنت احاذر

یعنی ای سیّدی و حبیبی کنت قرۃ عینی فَفَقَدَ نُورعینی بفقد انك ولا ابالی بعدك ان یموت عیسٰی او مُوسٰی او نبیٌ آخر فانی کنت علیك اخاف فاذا متَّ فلیمت من کان من السابقین وفی ھذہ اشارۃ الیٰ ان الاٰیۃ التی تلاھا الصدیق نبھت الصحابۃ علیٰ موت الانبیاء کلھم فما بقی لھم ھمٌ فی شانھم مثقال ذرۃ وما کانوا متاسفین ۔ بل استبشروا بموت الجمیع بعد موت رسُولھم الامین ولو کان الامر خلاف ذالك اعنی ان ثبت حیوۃ احد من الانبیاء السابقین بنص القرآن وبآیۃ من

آیات الفرقان فکادوا ان یموتوا اسفا علیٰ رسولھم و کادوا ان یلحقوا بالمیتین۔ ولکنھم لما علموا ان رسُولنا صلی اللہ علیہ وسلّم لیس بمنفرد بورود الموت من اللہ العلّام بل الانبیاء کلھم ماتوا من قبل وسقوا کاس الحمام تھلّلت وجوھھم و استبشرت قلوبھم فکانوا یتلون ھذہ الآیۃ فی سکک المدینۃ و اسواقھا ومات المنافقون ولم یبق لھم سعۃ ان یعترضوا علی الاسلام بموت نبینا الصبیح وحیات المسیح فالحمد للہ علیٰ ھذا العون الصریح۔ ان کلمۃ الاسلام ھی العلیا ویبرق نورہ من کل جنب و شفا۔ واللہ ارسل محمدًا وھو یکرمہ الی یوم الدین۔ واذا ثبت الاجماع ولم یبق القناع وسطع الصبح وازال الظلمۃ الشعاع۔ فاشل المنکرین ما بقی من عذرھم وقد حصحص الحق النباعُ وکُرّر الثبوتُ و احکمت الاضلاعُ وکمل الادواء والاجماعُ۔ فمن ادعی بعد ذالک علیٰ رفع ھذ الاجماع۔ وعزا امرنا الی الابداع۔ فعلیہ الدلیل القطعی من الکتاب والسنۃ واثبات اجماع انعقد علیٰ حیات المسیح فی عھد الصحابۃ۔ و انّی لھم ھذا ولو ماتوا متفکرین۔ وکیف ولیس عندھم حجۃ من اللہ ولیس معھم سلطان مبین۔ ان یتبعون الّا آباءھم الذین کانوا مخطئین۔ قست القلوب ورُفعت الامانت وما بقی فیھم الا فضول الھذر وما بقی فیھم من یطلب کالمتقین۔ و اذا قیل لھم آمنوا بمن جاءکم من عند ربکم علیٰ راس المائۃ وعند ضرورۃ احستھا قلوب المومنین۔ قالوا لا نعرف من جلو وما نراہ الا احدا من الدجالین وقد عُلّموا انہ یجیئھم حکمًا عدلًا ویحکم بینھم فیما کانوا فیہ مختلفین۔ فکیف یصیر حاکمھم محکومھم وکیف یقبل کلما اجمعوا من رطب و

صـ۵۶

یایس مالهم لا یتفکرون کالعاقلین۔ و یسبّوننی عدوا بغیر علم فاللّٰہ
خیر محاسبا وھو یعلم ما فی صدور العالمین۔ وقد کانوا یستفتحون من
قبل و یعدّون المائین۔ فلمّا جاءھم من یرقبونہ نبذوا وصایا اللّٰہ
و رسُولہ وراء ظھورھم کانہ جاء فی غیر وقتہ و کانھم ما عرفوہ من
علامۃ وکانوا من المعذورین۔ الم یروا کیف یتم اللّٰہ بہ الحجّۃ
بآیات السماء و یعصم عرض رسُولہ من قوم کافرین۔ بل کفروا بہ
و قالوا فاسقٌ ومن المفترین۔ فسیعلمون من فسق ومن کان یفتری
علی اللّٰہ و انّ اللّٰہ لا یخفی علیہ خافیۃ و اللّٰہ لا یجعل عاقبۃ الخیر
الا لقوم متقین۔ وما قیل لی الا ما قیل للرسل من قبل۔ تشابھت
القلوبُ۔ و زُیّن لہم اعمالھم وحسبوا انہم یعطون الثواب علی مایوذوننی
و یدخلون الجنّۃ بالتحقیر والتکذیب والتوھین۔ وکفّرونی و فسّقونی
وکذّبونی وجھّلونی وقالوا کافرٌ شر النّاس۔ ولوشاء اللّٰہ لما قالوا ولٰکن
لیتم ما جاء فی نباء خیر المرسلین۔ وما ینطقون الا بطرًا ورباءَ الناس
ولا یدبّرون الامرَ کالمنصفین۔ ولا تجد فی قلوبہم احقاق الحق کالصالحین
بل تجد کثیرا منھم یکیدون کل کیدٍ لیطفؤا نور اللّٰہ بافواھھم وما کانوا
خائفین۔ الا یقرؤن القرآن اولا یجاوز حناجرھم او صاروا من المعرضین
الا یعلمون کیف قال اللّٰہ یا عیسٰی انّی متوفّیک۔ وقال فلمّا توفّیتنی فما
یقبلون بعد کتاب مبین۔ الا یذکرون ان اجماع الصحابۃ قد انعقد علٰی
موت الانبیاء کلھم اجمعین۔ ایرتابون فیہ اوکانوا من المعتدین۔ مالھم
لا یذکرون یومًا مات فیہ رسُول اللّٰہ وثبت معنی التوفّی بموتہ وجمع
فی الصحابۃ کرب الاوّلین والاٰخرین۔ ونزلت علیھم مصیبۃ لن ینال

كمثله احد من العالمين - وقال بعضهم لا نسلم موت رسول الله وانه سيرجع لقتل المنافقين - فحينئذ قام منهم عبدٌ كان اعلم بكتاب الله وايده الله بروحه فصار من المتيقظين - وقال ايها الناس ان محمدًا مات كما مات اخوانه من النبيين من قبله فلا تصرّوا على ما تعلمون ولا تكونوا من المسرفين - وقرء الأية وقال مَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ[1] - فما كان من الصحابة من خالفه اوتصدى للجدال كالمنكرين - ورُفع النزاع الذى نشأ بين الصحابة وقاموا من المجلس معترفين باكين - ولا يخفى انّ مقصود الصديق رضى الله عنه من قراءة هذه الأية ما كان الا تعميم الموت وتسكين القلوب المضطَرّة بعموم هذه السنة وتنجية المحزونين ممّا نزل عليهم وتسلية المضطرين - وافحام المنافقين الضاحكين - ولو فرضنا ان الأية تدل على موت زمرة من الانبياء فقط لا على موت سائر النبيين فيفوت المقصود الذى تحرّاه الصديق بقراءة هذه الأية كما لا يخفى على العالمين - فان ابابكر رضى الله عنه ما كان مقصده من قرأتها الا ان يبطل ما زعم عمرٌ ومن معه من حيات نبيّنا صلى الله عليه وسلم وعوده الى الدنيا مرة اخرى ولا يحصل هذا المقصود من هذه الأية التى قرءت استدلالًا الا بعد ان تُجعل الأية دليلًا وبرهانًا على موتِ جميع الانبياء الماضين - وليس يخفى ان مقصد ابى بكر من قرأة هذه الأية كان تسلية الصحابة بتعميم سنت الموت وتبكيتِ المنافقين - وازالة ما اخذ الصحابةَ بموت نبيهم من قلق وكرب وضجرٍ وبكاء وانين - فلوكان مفهوم الأية مقصودا على ذكر موت البعض وحيات

ص ۵۸

[1] آل عمران: ۱۴۵

البعض فبايّ غرض قرأها ابوبکر فانها کانت تخالف ما قصده بهذا المعنی و ما کانت قراءتها مفیدةً للسامعین۔ وما کان حاصلها الاان یزید قلق الصحابة ویزید حُزنهم فوق ما اُحزنوا ویسّم الاجاج علی جرح المجروحین۔ فان رسولهم الذی کان احب الاشیاء الیهم وکان جاءهم کالعهاد۔ وکانوا یرقبون اثمار برکاته رقبة اهلة الاعیاد۔ مات قبل اتمام اٰمالهم۔ وقبل قلع المفسدین۔ واقیالهم بل مات قبل اهلاک الکاذبین الذین ادعوا النبوة وثوّروا الفتن فی الارضین۔ فلوکان ابن مریم وغیرہ احیاءً من غیر ضرورةٍ ومات نبیّنا الذی کانت ضرورته لاُمّةٍ من غیر ریبة و شُبهةٍ فای رزءٍ کان اکبر من ذالک لهؤلاء المخلصین۔ وایّ مصیبة کانت اصعب من هذه المصیبت لقومٍ فقدوا نبیّهم خیر النبیّین۔ فلذلک کانوا یرجون طول حیات النبی النبیل وما کان احد منهم یظّن انه یموت بهذا الوقت وبهذا العمر القلیل۔ ویرجع الیٰ ربه الجلیل و یترکهم متالمین۔ فحسبوا موته فی غیر اوانه۔ وقبل قطع الشوک وارواء بستانه۔ وقبل اجاحة مسیلمة الکذّاب واعوانه فاخذهم ما یاخذ الیتامی الصغار عند هلاک المتکفّلین۔ وهذا اٰخر ما اردنا فی هذا الباب

وَالحَمْدُ للهِ رَبِّ العالمین

تمّت

المؤلف

میرزا غلام احمد عافاه الله واید